تجلیاتِ قرآن

کے

چند عجائبات

مِن تصنیف

احقرہ امۃ الکریم بیگم اسحاق احمد

انتساب

مندرجہ کتاب ہذا چند آیات قرآن کی اپنی اس بے بضاعت
سی تحقیق و تاویل کو میں ان "راسِخُونَ فِی اُلعِلم" اصحاب کے اسمائے
گرامی پر معنون کرنے کا شرف حاصل کرتی ہوں کہ جو انشاءاللہ آئندہ
بفضلِ خدا قرآن پاک کی اُن آیات متشابہات کی تحقیق کر کے عجوبۂ
روزگار تاویلات لکھیں گے جو آیات سینکڑوں کی تعداد میں آج تک بالکل
اچھوتے اور غیر محسوس طریق سے قرآن حکیم کے اندر بھری ہوئی موجود
ہیں اور جن کی تحقیقات کیلئے خود رسالت مآبؐ حامِل وحی قرآن صلعم
نے اپنی امت کو ان الفاظ میں تاکید فرمائی ہے ۔ اِقرأُ القُرآنَ
فَالتَمِسُوا غَرائِبَہٗ ۔" (ترجمہ تم لوگ قرآن پڑھو اور اس کے اندر جو عجائبات
ہیں ان کو تلاش کرو"۔

(بارالٰہا اب تو اس حدیث قدسی پر جلد از جلد عمل کرنے کی امت کو توفیق
نصیب ہو آمین) فقط

خادمہ
بیگم اسحاق امتہ

تجلیاتِ قرآن

کے

چند عجائبات

Masood Faisal Jhandir Library

تجلیّاتِ قرآن

کے

چند عجائبات

مِن تصنیف

امۃ الکریم بیگم اسحاق امۃ

فہرست

مقدمۃ الکتاب	۱ تا ۹
تجلیاتِ قرآن کے چند عجائبات	۱۰
خود اللہ تعالیٰ سے قرآن کی تعریف سنئے	۱۳
آیات محکمات اور متشابہات	۱۵
تصریف	۱۸
تاویل	۲۴
عربی اور عجمی زبانوں کا فرق	۲۵
ایک اور عجیب آیت	۲۹
سائنسدانوں کی سب سے بڑی تمنّا	۳۲
آسمان کے سیّاروں اور چاند کے اندر جانے کی کوشش	۳۳
چاند کے بارے میں ایک عجیب انکشاف	۳۹
چاند میں بہت دلچسپ کھیل کھیلے جائیں گے	۴۱
چاند کے سفر میں قرآن پاک کی ایک اور صداقت	۴۲

چاند کے بارے میں ایک اور بشارت	۴۵
ہماری زمین جیسی اور بھی ہیں	۴۷
دوسری زمینوں میں بھی انسان آباد ہیں	۴۹
انسان خدا کا خلیفہ ہے	۵۱
ایٹم کی تھیوری	۵۳
متعلقہ ایٹم بم	۵۶
ایٹم بم کے بارے میں اور اشارے	۵۸
ان خوفناک دھماکوں کا انجام	۵۹
ایٹم بم کے بارے میں آخری چیز	۶۲
سفید قومیں	۶۳
قابلِ غور ہے	۶۴
لیکن وہ سزا ؟	۶۵
قرآن پاک میں اور بیشمار اشارے	۶۷
زمین کے بارے میں اشارات	۶۸
زمین چھ وقفوں میں تیار ہوئی	۷۰
زمین اپنے محور پر ہنڈولے کی طرح گھوم رہی ہے	۷۱

زمین سورج کے گرد گھومتی ہے ۷۱
زمین کی گولائی کا تیسرا اشارہ ۷۳
سمندری سواریاں ۷۴
دو دریا مل کر چلتے ہیں ۷۶
دوسری مثال ۷۶
غور طلب بات ۷۷
کائنات کی مزید خبریں ۷۸
ایک دن یہ کائنات ختم کر دی جائے گی ۸۱
انسانوں کے بولے ہوئے الفاظ ۸۱
بجلی کی روشنی ۸۲
ایک عجیب مطابقت ۸۵
معجزات انبیاء علیہ السلام ۸۸
تاریخ شاہد ہے ۹۷
پہلا معجزہ ۱۰۵
دوسرا معجزہ ۱۰۶
حضرت موسےٰ علیہ السلام کے معجزات ۱۰۸
ان معجزات کی تاویل ۱۰۹

حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات ۱۱۵

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزے ۱۱۷

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے معجزات ۱۲۰

ایک حیرت انگیز واقعہ ۱۲۳

قرآن مجید کی حیرت انگیز پیشین گوئی ۱۲۵

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ۱۳۳

ریڈیو ماسکو کا اعلان ۱۳۹

غضب کا اشارہ فرمایا ۱۴۰

ایسی ہی دوسری آیت ۱۴۳

مذکورہ بالا آیات کی تاویل ۱۴۵

راسخونَ فی العلم ۱۵۰

ایک بھیانک انجام ۱۵۱

پس سب سے بڑا معجزہ ۱۵۹

پڑھنے والوں سے ایک درخواست ۱۶۱

تتمۃ الکتاب ۱۷۰

وھو ھٰذا ۱۷۱

تمت ۱۹۸

مقدمۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ قرآنِ حکیم کے بعض نہایت اہم حصّوں اور عجیب وغریب اشاروں کو واضح کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ قرآنِ مجید میں ان اشاروں کو تشبیہہ وتمثیل فرمایا گیا ہے جن آیات میں یہ اشارات یا تشبیہات ہیں، ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے "متشابہات" فرمایا ہے۔

چنانچہ اس بارے میں پارہ ۳، سورت ۳، آیات ۶، میں جو کچھ فرمایا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ وہ ہے، جو ماؤں کے پیٹ میں طرح طرح کی صورتیں، جیسی چاہتا ہے بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اے رسولؐ آپ پر جو یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، اس میں بھی ہم نے طرح طرح کی آیات نازل کی ہیں۔ کچھ آیات تو "محکمات" ہیں اور وہ قرآن کی بنیاد ہیں (یعنی انسانوں کے لیے حکم احکام قانون اور قاعدے انہی میں نازل کیے گئے ہیں) اور باقی آیات،

"متشابہات" ہیں (جن میں طرح طرح کی خبریں اور پیشنگوئیاں تشبیہوں اور مثالوں کے ذریعہ سے بیان کی گئی ہیں)

"ان متشابہ آیات کی تاویل (یعنی تشریح) کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (یا وہ لوگ جان لیں گے) کہ جو "راسخون فی العلم" ہوں گے اور (یہ حقیقت ہے کہ) ان آیات کے ذریعہ عقل والے ہی اونچے درجے حاصل کر سکیں گے"۔

ان آیات میں چند الفاظ غور طلب ہیں اوّل "محکمات" جس کا مادہ یا روٹ "حکم" ہے اور اسی مناسبت سے ان آیات میں اللہ کے سب حکم احکام نازل ہوتے ہیں۔ ان آیات کے الفاظ عام فہم اور ان کا مضمون بہت صاف اور واضح ہے۔ ان آیات کی تشریح اور تفصیل کو اللہ تعالیٰ نے تفسیر کرنا فرمایا ہے جس کا حوالہ کتاب ہذا کے اندر ملے گا۔

"محکم" کے معنی ہیں مضبوط اور اٹل جس کا مطلب یہ ہے کہ ان آیات کے الفاظ کے معنی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ دوسرا لفظ ہے "متشابہات" اس کا مادہ ہے "شبہ" اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ جس معاملہ میں شبہ ہو

اس میں کوئی یک طرفہ فیصلہ دینا مشکل ہوا کرتا ہے۔ خیالات متفرق ہو جاتے ہیں اور اس کے کئی کئی معنی نکل آتے ہیں۔

اِن آیات کی تشریح و تفصیل کو اللہ تعالےٰ نے بجائے تفسیر کے "تاویل" فرمایا ہے اور پھر خود ہی قرآن مجید کی سورہ یوسف میں تاویل کا مطلب بھی سمجھا دیا ہے کہ خواب کی تعبیر کو تاویل کہتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ تاویل بیان کرنے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔ بیان کرنے والے اپنی سمجھ بُوجھ اور فراست سے کوئی رائے قائم کر کے مطلب اخذ کر لیتے ہیں۔ اس کا مختصر بیان بھی اس کتاب کے اندر درج ملے گا۔

تاویل کے بعد "راسخون فی العلم" تشریح طلب لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں علم میں بہت پختہ اور مکمل لوگ، اور یہ وہ ہوں گے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بعد آیات متشابہات کی تاویل یعنی اس کی تشریح اور مطالب کو سمجھ سکیں گے۔

سو غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خطاب کے مستحق آج کل کے موجد اور محقق سائنسدان افراد ہیں، کیونکہ آیات کو سمجھنا تو کیا

بلکہ دوسروں کو سمجھانے کے لئے وہ خود ہی آیات متشابہات کی عملاً مجسم تاویل بن چکے ہیں ۔

یعنی جن ایجادات اور تحقیقات کے اشارے اللہ تعالےٰ نے مذکورہ بالا آیات میں نازل فرمائے ہیں ۔ آج یہ لوگ بحکمِ خداوندی سب کچھ کر کے دکھاتے جا رہے ہیں ۔

قرآن مجید کے پارہ ۱۲، سورت ۲۹، آیات ۴۹ اور ۵۰ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے جس کا لبِّ لباب یہ ہے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ پر اس کے رب کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے ۔ "اے رسولؐ تو ان سے کہدے کہ میرے معجزے ابھی اللہ کے پاس ہیں ۔ بلکہ وہ کھلے کھلے معجزے تو ابھی علم (سائنس) والوں کے سینوں میں چھپے ہوتے ہیں ۔"

(نوٹ) ان آیات میں راقم الحروف کو ربط کلام کے لئے آیات کو مقدم و مؤخر کر کے ترجمہ لکھنا پڑا ۔)

مذکورہ بالا آیات کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور سرورِ کائنات سے کیا صاف صاف کہلوا دیا ہے جس کا ماحصل یہ

ہے کہ میرے معجزے دوسرے انبیا علیہم السلام کی طرح وقتی نہیں ہیں
بلکہ میرے قرآن کی طرح ان کا سلسلہ بھی قیامت تک جاری رہے گا
یہ معجزات آئندہ زمانوں میں ظاہر ہوں گے جبکہ قرآن کی پیشین گوئیوں
کے مطابق راسخون فی العلم یعنی سائنسی علوم کے ماہر لوگ اپنے دل
یعنی سینے سے طرح طرح کی ایجادات کر کے دنیا کو دکھایا کریں گے
اور جب تک یہ ایجادات ظاہر نہ ہو جائیں گی، ظاہر ہے کہ موجدوں
کے سینوں میں ہی اس وقت تک چھپی رہیں گی۔

عرض حال

پس انہی حقائق سے متاثر ہو کر مضمون ہذا میں قرآن مجید کی
آیات متشابہات کے اشاروں کی تاویل لکھنے کی ضرورت محسوس
ہوئی اور راقم الحروف نے باوجود اپنی علمی بے بضاعتی کے اس دقیق
مگر اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بقول شیخ سعدیؒ کے ؎

در ایں دریائے بے پایاں بہ ایں طوفانِ موج افزا
سر افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا،

ترجمہ، تاویلاتِ متشابہات کے اس اتھاہ سمندر میں جس کا کوئی

کنارہ نہیں ہے، میں نے اپنی کشتی کو ڈال دیا ہے۔ اب اس کا تیرنا اور لنگر انداز ہونا اللہ کے بھروسے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائیں، آمین۔

اس کم مائگی میں سرفروشی کی یہ جرأت محض اس روح افزا امید کے سہارے پر کی گئی ہے کہ شاید ایک کم علم اور کم فہم ہستی کا یہ چھوٹا سا نمونہ اہل علم و فضل اصحاب کے سمندِ شوق پر ایک تازیانے کا کام کر جائے اور وہ "راسخون فی العلم" حضرات آیات "متشابہات" کی تاویلات ایسے طریق سے لکھیں کہ جیسے لکھنے کا حق ہے۔

اور پھر بحکمِ خدا دنیا دیکھے کہ یہ آیاتِ قرآن کیا چیز ہیں۔ گویا عجائبات کے دریا کوزے میں بلکہ سمندر قطروں میں بند کیئے ہوئے ہیں۔

مجھ جیسے مبتدی طالب علموں کو محوِ حیرت کر دینے کو تو یہ زیرِ نظر ابتدائی کتابچہ ہی کافی ہو گیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ چند آیات کی "تاویل" ان مغرب زدہ فرزندان و دخترانِ توحید کی ذہنیت کی آنکھوں کو کھول سکے کہ جو قرآن کو ایک چودہ سو سالہ پرانی کتاب سمجھتے ہوئے اس کو دِلی شوق اور جذبے سے نہیں پڑھتے۔ پڑھنا تو درکنار، اکثر تو

اس کا ذکر بھی انداز مغائرت سے سنتے ہیں (الھم اھدنا الصراط المستقیم)

کاش کہ وہ اصحاب اس کتابچے کو پڑھ کر دیکھیں کہ عجائبات کے کتنے بے شمار خزانے ان آیات میں پوشیدہ ہیں۔ بالکل اسی طرح کہ جیسے آج جن پہاڑوں کی کانوں سے ہر قسم کے ذخائر اُبل رہے ہیں۔ کل تک وہ بالکل معمولی نظر آرہے تھے (مادی شے ہو یا روحانی یا ذہنی کوشش اور تلاش سے ہی حاصل ہو سکتی ہے)

بالکل اسی طرح پرانے ترجموں کے ساتھ پڑھنے سے جن آیاتِ قرانی میں کوئی خصوصیت نظر نہ آتی تھی، انہی آیات کو عربی لغات (ڈکشنری) کی مدد سے دیکھ کر یہ معلوم ہوتا جارہا ہے کہ ان آیات کے تو بہت سے الفاظ قدرت کے سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی کر رہے۔ ان کے حرف حرف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا جارہا ہے کہ ایک نہیں، ان کے تو کئی کئی معانی ہیں۔

سابقہ ترجمے لکھنے والے بزرگوں نے ان میں سے کوئی ایک معنی لکھدئے ہیں کہ جو اس موقع اور محل کے مطابق ان کو مناسب اور موزوں معلوم ہوئے

کہ جس زمانے میں وہ ترجمے لکھے گئے۔

ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن مجید کے عربی زبان میں نازل ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے خود بھی فرمایا ہے اور یہ ذکر کتاب ہذا کے اندر بھی ملے گا۔

آمدم برسرِ مطلب

زیرِ نظر کتاب سے متعلق ایک ضروری عرض یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی جن جن آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں عام طور سے مطلب برآری کے لئے ان میں سے کسی آیت کا "مفہوم" لکھا گیا ہے اور کسی کا "خلاصہ"۔ جن آیات کے خاص خاص اشاروں پر روشنی ڈالی گئی ہے ان کے الفاظ کا ترجمہ عربی ڈکشنری کی مدد سے نئے انداز اور نئے الفاظ سے لکھا گیا ہے۔ جس سے موجودہ زمانے کی ایک ایک ایجاد اور ہر تحقیقات کی پوری طرح نشاندہی ہو رہی ہے۔

ناظرین سے اس بارے میں ایک اور بھی درخواست ہے کہ وہ اس مبارک کام کی مدد کے لئے جو عربی لغت یا ڈکشنری استعمال کریں، وہ "لغات القرآن" کے نام سے نہ" ہو۔ کیونکہ اس نام کی لغات میں

قرآنی الفاظ کے صرف وہی معانی لکھے ہوتے ملیں گے جو پرانے بزرگ پہلے ترجموں میں لکھ گئے ہیں۔

اور نہ وہ ڈکشنری کوئی ایسی جدید اور غیر مستند ہو کہ جیسی بعض ممالک میں بعض لوگ لکھ رہے ہیں بلکہ اس کام کے لئے صرف قدیم لغات میں سے کوئی ایک ہو۔ یا کم از کم درمیانہ سائز کی لغات بنام "مفتاح اللغات" ہی ہو جو کہ آجکل پاکستان میں آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے۔ قیمت بارہ تیرہ روپے ہے اور "قرآن محل" مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی سے مل سکتی ہے۔

احقرہ

امۃ الکریم بیگم اسحاق امتہ

۶ ر ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۳ ر فروری ۱۹۶۹ء

تجلیاتِ قرآن
کے
چند عجائبات

اللہ تعالےٰ نے اولادِ آدم کی رہنمائی کے لئے یوں تو شروع زمانے ہی سے انبیاءؑ کو دنیا میں لگاتار بھیج کر اپنی وحی اور الہام کا سلسلہ جاری فرمادیا تھا جو سینہ بہ سینہ چلتا رہا۔ پھر جب دنیا میں لکھنے کا رواج ہو گیا تو اس "الہام" اور "وحی" کو کتابی شکل دے دی گئی مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تورات۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی انجیل اور سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا گیا۔ اور اس کے لئے پارہ ۹ ۲ سورت ، ، آیت ۵۰ میں فرمایا گیا "اس کتاب قرآن" کے بعد اور کس کتاب پر لوگ ایمان لائیں گے (اس لئے کہ اب اور کوئی کتاب نازل نہ ہوگی)"۔

قرآن مجید کے لانے والے رسول صلعم کے لئے پارہ ۲۲ سورت ۳۳،

آیت ۴۰ میں فرما دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اُن کے بعد اب اور کوئی نبی نہ ہوگا۔"

چنانچہ دیکھنے میں بھی یہی آرہا ہے کہ قرآن کو نازل ہوئے آج پورے چودہ سو سال گزر چکے ہیں، مگر اس کے بعد کوئی آسمانی کتاب نازل نہیں ہوتی حالانکہ توریت، زبور، انجیل اور قرآن میں کم و بیش تقریباً پانچ پانچ سو سال کا وقفہ ہے اور یہ ظاہر فرمانے کے لئے کہ قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب کس لئے نازل نہ ہوگی۔ پارہ ۱۴، سورت ۱۶، آیت ۸۹ میں فرمادیا کہ "اے محمدؐ! ہم نے آپ پر جو یہ کتاب نازل کی ہے ہم نے اس میں ہر شئے کے متعلق سب کچھ ہی بیان کر دیا ہے۔" یہ کتاب کیا ہے اللہ کی رحمت ہے اور ہر اس شخص کو سیدھا راستہ بتانے والی ہے کہ جو اس پر ایمان لاکر اس کے احکام پر عمل کرنا چاہے۔ پھر پارہ ۲۳، سورت ۳۶، آیت ۶۹، ۷۰ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ قرآن ہر معاملے کو بیان کرنے والا ہے اور یاد کرنے کے لئے ہے اور ہم نے اس کو دنیا میں اس لئے نازل کیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دُنیا کے ہر زندہ شخص کو گناہوں کے بُرے انجام سے ڈرا دیا جائے۔"

پھر پارہ ۳۰، سورت ۸۱، آیت ۲۷ میں فرمایا "یہ قرآن تمام زمانوں کے لئے نازل کیا گیا ہے۔"

ایسا ہی پارہ ۱۴، سورت ۱۵، آیت ۹ میں فرمایا " اس قرآن کو ہم نے (قیامت تک کے لئے) نازل کیا ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت ہم خود کریں گے۔"

چنانچہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ جتنی حفاظت قرآن مجید کی ہو رہی ہے اتنی اور کسی آسمانی کتاب کی نہیں ہوئی۔ یعنی چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی قرآن کے ایک زبر، زیر اور ایک شوشے میں فرق نہیں آیا اگرچہ ساری دنیا میں کروڑوں بلکہ اربوں چھپے ہوئے قرآن موجود ہیں اور دن بدن زیادہ سے زیادہ چھپتے چلے جا رہے ہیں۔

اسی طرح بفضل خدا لاکھوں ایسے انسان دنیا میں موجود رہتے ہیں کہ جن کو پورا قرآن حفظ یاد ہوتا ہے اور دنیا کے کسی گوشے میں جا کر کسی بھی حافظ سے قرآن پڑھوا کر سنا جائے، ایک حرف کا فرق نہ نکلے گا۔ جس وقت حافظ قرآن آنکھیں بند کر کے قرآن سنانے لگتے ہیں تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ اس روانی سے گھنٹوں سناتے چلے جاتے ہیں

جیسے کوئی دریا پہاڑ کے اوپر سے بغیر کسی رکاوٹ کے بہتا چلا آرہا ہے۔
اور قرآن کا یہ معجزہ بھی قابل ذکر ہے کہ آٹھ نو سال کی عمر کے بچّے قرآن
کے تیسوں پاروں کو بڑی آسانی سے حفظ کر لیتے ہیں کہ جن میں چھ ہزار
دو سو چھتیس آیات ہیں۔

نہ صرف بچے ہی بلکہ بڑی عمر کے مرد اور عورتوں نے بھی دو دو تین تین
سال کی کوشش سے پورا قرآن حفظ کر کے سنا دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کی
ان ہی حیرت انگیز خصوصیات کو دیکھتے ہوئے تو یہ خیال اور تجسّس دل
میں پیدا ہوتا ہے کہ اور تمام آسمانی کتابوں سے بڑھ کر قرآن میں وہ کیا
چیز ہے کہ جس کے لئے اس کو اتنی حفاظت کے ساتھ ایک نسل سے
دوسری کو پہنچایا جا رہا ہے اور اتنی احتیاط کی جا رہی ہے کہ اس کے
ایک حرف میں فرق نہ آنے پائے۔

خود اللہ تعالٰے سے قرآن کی تعریف سنئے

پارہ ۱۵، سورت ۱۷، آیات ۸۸ - ۸۹ میں فرماتے ہیں کہ یہ قرآن
ایسی کتاب ہے کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر ایسی کتاب بنانا
چاہیں تو ہرگز نہ بنا سکیں گے خواہ کتنی ہی کوشش اور ایک دوسرے کی

مدد کریں ۔ کیونکہ اس قرآن میں ہم نے (اپنے علم سے) سب کچھ ہی بیان کر دیا ہے ۔ کچھ صاف صاف الفاظ میں اور کچھ تصریف کے طور پر یعنی اشاروں اور تمثیلوں کے ذریعہ سے ۔ مگر افسوس کہ بہت سے لوگ ان اشاروں اور استعاروں کی طرف توجہ دینا ہی نہیں چاہتے "۔

پارہ ۷، سورت ۶، آیت ۱۰۶ میں فرمایا " ہم نے قرآن کی آیات کو تصریف کے طور پر (یعنی الفاظ اور آیات کے ہیر پھیر اور ادل بدل کے ساتھ) اس لئے بیان کیا ہے کہ لوگ کہیں کہ تو نے قرآن کو خوب سمجھایا ہے اور ہم نے اس طریق سے ان لوگوں کے لئے بیان کیا ہے جو اِن اشاروں اور مثالوں کو جان سکتے ہیں "۔

(نوٹ) تو کیوں نہ ہم بھی ان اشاروں کے راز معلوم کرنے کی کوشش کریں جبکہ ہمارے لئے قرآن کو نازل فرمانے والا خدا یہی چاہتا ہے ۔ کفرانِ نعمت اور ناسپاسی ہو گا اگر ہم ایسا نہیں کریں گے ۔ لیکن غور کرنے سے پہلے ان اصولوں کو سمجھنا ہو گا کہ قرآن فہمی کے لئے اللہ تعالےٰ نے جو ہم کو بتائے ۔ ان اصولوں کو سمجھے بغیر ہو سکتا ہے کہ قرآن فہمی میں خدانخواستہ غلط فہمی ہو جائے ۔

آیات "محکمات" اور "متشابہات"

کا فرق سمجھ لینے سے یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے اور اس کو خود اللہ تعالیٰ نے اس طرح سمجھایا ہے۔ پارہ ۳ ، سورت ۳ ، آیت ، میں فرمایا "خدا وہ ہے ، جس نے یہ کتاب جو تجھ پر نازل کی۔ اس میں دو قسم کی آیات ہیں ، اول "محکمات" ہیں اور یہ آیات قرآن کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اور دوسری "متشابہات" ہیں۔ ان آیات کی تشریح و "تاویل" کو اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا یا پھر ان کو وہ لوگ سمجھ سکیں گے ، جو "راسخون فی العلم" ہوں گے یعنی جن کا علم بہت ہی پختہ اور صحیح ہو گا۔ (وہ لوگ ان متشابہ آیات کو سمجھ کر خدا کی تعریف کرتے ہوئے) صدق دل سے اپنے ایمان کا اظہار کریں گے اور ان آیات سے عقل والے ہی نتیجے اخذ کر سکتے ہیں"۔

محکمات کے معنی مضبوط ، اٹل اور جن میں خدائی احکام ہیں اور انسانوں کے واسطے قانون اور قاعدے۔ لہٰذا نہ خدائی احکام اور نہ قانون بدل سکتے ہیں نہ آیات محکمات کا مفہوم اور ان آیات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ سیدھے سادے الفاظ اور آسان طرز بیان۔ اگرچہ فصاحت و بلاغت کے دریا ان

یں ایسے بہہ رہے ہیں اور علم و حکمت کے وہ وہ خزانے اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں بھر دیئے ہیں کہ ایک آیت کا مقابلہ کرنا بھی دوسروں کے لئے ناممکن ہے۔ گو صدیوں تک مخالفین اسکی تھوڑی سی نقل کے لئے بھی سرگرداں رہے ہیں، لیکن ان آیات محکمات کے علاوہ جو آیات متشابہات ہیں ان میں تو اللہ تعالےٰ نے خاص مصلحتوں کی بنا پر معاملات کو اشاروں اور تمثیلوں، تشبیہوں اور استعاروں کے ذریعہ بیان فرمایا ہے۔

ان آیات میں کہیں تو ایک ایک دو دو الفاظ کے ذریعہ اور کہیں پوری آیت یا اس کے کم و بیش حصّے پر غور کرنے سے وہ وہ انکشافات ہوتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ انہی آیات کے لئے اللہ تعالےٰ نے پارہ ۲۳ سورت ۳۸، آیت ۸۸ میں فرمایا ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا، قرآن میں دی ہوئی خبروں کی کیفیت تم کو معلوم ہوتی چلی جائے گی۔

پارہ ۲۵، سورت ۴۱، آیت ۵۳ میں فرمایا "ہم اپنے معجزے لوگوں کو آئندہ دکھائیں گے۔ کچھ تو کائنات میں اور کچھ انسانوں کی اپنی ذات یا نفس میں یہاں تک کہ لوگ معلوم کرلیں کہ قرآن کی دی ہوئی خبریں سچّی ہیں" مطلب یہ کہ جن ایجادات و تحقیقات کے اشارے ان آیات میں ہیں

وہ چیزیں مجسم ہو کر خود تمہارے سامنے آجائیں گی۔ لوگوں کی ذات یا نفس میں سے معجزے دکھانے کا مطلب یہ کہ ان کی عقل و سائنس اور ذہنی و دماغی طاقتوں کی ایجادات کی صورت میں قرآن کے دئے ہوئے اشارے اور تمثیلیں کسی نہ کسی صورت میں سامنے جلوہ گر ہو جائیں گے تو لوگوں کو یقین ہوگا کہ قرآن کی پیش گوئیاں سچی ہیں یعنی جس قرآن نے ہزاروں سال پہلے سے یہ سب واقعات اشاروں میں ظاہر کر دئے وہ قرآن برحق ہے سوائے خدائے برحق کے انسان تو اتنے وثوق اور یقین سے چند گھنٹے پیشتر بھی نہیں بتا سکتا کہ کیا ہونے والا ہے اور کس طرح اور کہاں ہوگا۔

قرآن مجید کے سابقہ ترجموں میں موجودہ زمانے کی تحقیقات یا ایجادات کے قرآنی اشاروں اور تمثیلوں پر کوئی "تاویل" یا تشریح لکھی ہوئی نظر نہیں آتی کہ جن پر زیر نظر سطور میں روشنی ڈالی جا رہی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ چیزیں زیادہ تر ان ہی پچاس ساٹھ سال کے دوران ایجاد ہوئی ہیں پرانے ترجمہ کرنے والوں کا ذہن ادھر منتقل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اب تو جو شخص بھی ان آیات پر غور کرے گا تو موجودہ تحقیقات اور ایجادات کو دیکھ کر اندازہ لگائے گا کہ قرآن مجید کے یہ اشارے انہی کے لئے ہیں بلکہ نیا

ترجمہ لکھنے والے عربی ڈکشنری میں سے مناسب حال الفاظ نکال کر پرانے الفاظ کی جگہ لکھ دیں گے کہ دراصل ان واقعات کی تاویل یہاں ان الفاظ سے ہو سکے گی۔

تبھی پارہ ۲۱، سورت ۲۹، آیت ۶۹ میں فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے "جو لوگ ہمارے قرآن کی آیات میں دل کے شوق اور لگن سے غور کریں گے ہم ان کو اپنی نئی راہیں سُجھاتے جائیں گے۔" اور یہ آیات زیادہ تر وہی متشابہ آیات ہیں، جن کے لئے بار بار اللہ تعالےٰ نے توجہ دلائی ہے کہ "ہم نے تصریف کے طور پر اشاروں میں ان آیات کے ذریعہ سب کچھ بیان کر دیا ہے۔"

تصریف

پس جن آیات کو اللہ تعالیٰ نے تصریف کے طور پر نازل فرمایا ان کو تصریف کے طور سے ہی ہم کو سمجھنا چاہیئے۔ تصریف کے معنی ہیں الفاظ میں سے الفاظ اور بات میں سے بات پیدا کر لینا، حرفوں کو ادل بدل کرنا۔ مثلاً لفظ تصریف ہی کو لے لیں۔ یہ لفظ عربی زبان کا "مصدر" ہے۔ اس سے کئی الفاظ مشتق ہوتے ہیں جیسے "صارف" یعنی تصریف کرنے والا "مصروف" جس پر تصریف کی جائے۔ "مُصَرَّف" تصریف کرنے کی جگہ۔ "مصروفیت" تصریف

کرنے کا کام وغیرہ ۔

"تصریف" کا مطلب یہ بھی ہے کہ کچھ غرض طلب آیات کے الفاظ کو آگے پیچھے کر کے مطلب نکال لیا جائے یا کسی آیت کے نامکمل مضمون کو دوسری جگہ کی آیت سے مکمل کر دینا یا مطلب واضح کرنے کے لئے کسی آیت کے ترجمے کے الفاظ یا جملوں میں کچھ محذوف الفاظ یا جملے لگا کر قابلِ فہم بنا لینا لیکن یہ عمل صرف ان ہی آیات میں کیا جا سکتا ہے کہ جو متشابہات ہیں اور مستقبل کی خبروں سے جن کا تعلق ہے ۔

باقی رہیں وہ آیات جو" محکمات ہیں یعنی جن میں حکم احکام اور بنیادی قواعد ہیں ۔ان آیات کا تو ایک لفظ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا اور وہ ہیں بھی کچھ ایسے صاف صاف بیانات کہ جیسے مثال کے طور پر پارہ ۵، سورت ۴، آیت ۱۳۵ میں فرمایا" اے ایمان والو! تم انصاف کی گواہی دینے کے لئے تیار اور ثابت قدم رہو۔خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے نفس یا تمہارے ماں باپ اور عزیز و اقربار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"۔ بچے سے بچہ بھی ایسی آیات کے مطالب کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔اسی مثال پر تمام محکم آیات کا اندازہ لگا لیا جائے ۔انہی آیات کی اہمیت جتانے کے

لئے پارہ ۱۹، سورت ۲۵، آیت ۳۳ میں فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اے مخاطب! دنیا والے کسی معاملے کے متعلق بھی تجھ سے دریافت کریں تو یاد رکھ کہ ہم نے ہر معاملے کے متعلق نہایت عمدہ تفسیر اسی قرآن میں بیان کر رکھی ہے۔"

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ محکمات کے لئے "تفسیر" کا لفظ فرمایا ہے جہاں آیات متشابہات کے لئے "تاویل" کرنا فرمایا اور یہ الفاظ بھی آیات محکمات ہی کے لئے ہیں۔ پارہ ۱۱، سورت ۱۰، آیت ۶۴ میں سخت تاکید سے فرمایا کہ "اللہ کے کلمات اور الفاظ میں کبھی تبدیلی نہ ہوگی"۔ (اس لئے کہ نہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین بدلیں گے نہ محکمات کے مفہوم میں تبدیلی ہوگی، اس کے قوانین تو ازل سے لے کر ابد تک یکساں ہی رہیں گے) اور اس کے برخلاف آیات متشابہات کے لئے کیسا حیرت انگیز طریق سے پارہ ۲۶، سورت ۵۱، آیت ۲۳ میں فرماتے ہیں "ہم کو آسمان اور زمین کے ربّ کی قسم یہ قرآن برحق اور سچّا ہے اور تم سے بالکل اسی طرح بولتا ہے کہ جس طرح تم لوگ ہر پیرائے سے آپس میں باتیں کیا کرتے ہو۔"

سبحان اللہ! قرآنی بیانات کی یہ دل آویزیاں اور قرآن نازل فرمانے والے

آقا کی یہ بندہ نوازیاں کیوں نہ پڑھنے والے کو مبہوت بنا دیں !! دنیا کے حاکم غلام تو کیا ماتحتوں سے بھی بے تکلف بات کرنے کے روادار نہ ہوں اور حاکموں کے حاکم کی یہ شفقت !! یہ بھی دیکھئے کہ دینوی بادشاہوں اور آقاؤں کے حکم احکام کو غلام اور ماتحت سوائے اس کے کہ سر جھکا کر سنیں اور کسی طرح کی مجال نہیں، خواہ حکم صحیح ہو یا غلط، اُف نہیں کر سکتے۔ مگر بادشاہوں کا بادشاہ اور آقاؤں کا آقا اپنے قرآنی فرمان کے لئے کیا فرماتا ہے۔ پارہ ۱۹ سورت ۲۵ میں آیت ۶۳ سے لے کر ۷۶ تک اپنے مومن بندوں کے اوصاف گنواتے گنواتے آیت ۷۳ میں فرماتے ہیں ہمارے بندے (ہر معاملے میں سوچ سمجھ سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ) ہمارے قرآن کی آیات اور ہمارے حکم احکام کو سُن کر بھی وہ اندھے بہروں کی طرح تعمیل کو نہیں جھک جاتے (بلکہ قرآن کی ہر آیت کو پہلے سمجھتے ہیں)

مقام غور ہے کہ اس سے زیادہ قرآن کی آیات پر غور کرنے کی اور کون سی تاکید ہوگی۔ ایک اور آیت بالکل صاف اور واضح الفاظ کی یہ ہے۔ پارہ ۲۷ سورت ۵۴ آیت ۱۷ میں فرماتے ہیں "ہم نے قرآن کو سمجھنے اور دنیا میں پھیلانے کے لئے بہت آسان کر دیا تو کیا تم میں سے کوئی اس کا گہری نظر

سے مطالعہ کر کے اس کی باریکیوں کی تہ تک پہنچے گا"۔ (اس آیت میں دو لفظ ذکر" اور "مُدّکِرْ" قابلِ توجہ ہیں۔ "ذکر" کے معنی خود یاد کرنا اور دُور دُور تک شہرت دینا"۔ مُدّکِرْ کے معنی ادراک سے کام لینے والا یعنی گہری نظر سے دیکھنا گہرائی میں اتر جانا)

ایک تیسری آیت تو بہت ہی لرزہ خیز ہے۔ پارہ ۲۶، سورت ۴۷، آیت ۲۴ میں بڑے رنج اور غصّے سے فرماتے ہیں "تم لوگ قرآن پر غور اور تدبر کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں کو قفل لگ گئے ہیں"۔

اس تنبیہہ خداوندی کے بعد بھی اگر آیات متشابہات پر غور نہ کریں تو حیف ہے۔ اس پر بھی تو غور کیا جائے کہ اگر ان آیات کو بغیر سمجھے چھوڑنا ہوتا تو پھر ان کو نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ (تدبّر کے معنی کسی بات کے سمجھنے کے درپے ہو جانا) قرآن تو پورا ہی پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ہے۔ کسی آیت کو بغیر سمجھے چھوڑنا تو بہت ہی دور از کار ہے جبکہ پارہ ۲۴ سورت ۴۱ آیات ۴۱، ۴۲ میں فرمایا یہ قرآن بڑی زبردست کتاب ہے، نہ اس کے شروع میں کوئی بے فائدہ آیت ہے نہ آخر میں۔ اس لئے کہ اس کو سب سے بڑے علم اور حکمت والے نے نازل کیا ہے"۔ سبحان اللہ قرآن حکیم میں بندوں کے

ہر سوال کا جواب پہلے ہی سے تیار رہتا ہے۔

کسی زمانے میں آیات متشابہات سمجھ میں نہ آتی ہوں گی لیکن اب تو ایسا زمانہ میسر آگیا ہے کہ متشابہ آیات کے بہت سے اشارے مجسم بن بن کر سامنے آنے لگے ہیں جن پر قرآن پاک کی صدیق ہوتی جارہی ہے۔

بہت سے لوگ یہ بھی کہدیتے ہیں کہ جب واقعات سامنے آہی گئے تو پھر ان آیات کے اشارات کا کھوج لگانے سے کیا حاصل؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی تحقیق اور تطبیق سے اللہ تعالےٰ کے قرآن پاک پر ایمان قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے اور اصلی حقائق سامنے آتے جاتے ہیں اور پرانے غلط نظریوں کی صحت ہوتی ہے کہ اب تک تو دوسرے لوگوں کی طرح پرانے خیال کے مسلمان بھی یہی کہتے رہتے تھے کہ "آسمان پر جانے کی کوششیں فضول ہیں ایسا کبھی ہو ہی نہ سکے گا۔" حالانکہ کرنے والوں نے بہت کچھ کر کے دکھا دیا اور قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق اور بھی بہت کچھ کریں گے جس کسی کا یہ خیال ہے کہ موجودہ سائنس کی ترقیات غیر مذہبی ہیں وہ قرآن مجید کے اشارات سے ناواقف ہے۔

اللہ تعالےٰ ایک جگہ نہیں قرآن مجید میں چھ سو سے زیادہ مقامات میں

لوگوں کو ترغیب دے رہے ہیں کہ کائنات کو تسخیر کرو۔ اس لئے کہ زمین آسمان کی کل کائنات اولادِ آدم کے لئے ہے (اور یہ سب کچھ آیات متشابہات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے)۔

"تاویل"

پچھلے اوراق میں تصریف کے متعلق کچھ لکھا جا چکا ہے اور یہ ذکر آیا ہے کہ آیات محکمات کے سمجھانے کے لئے تفسیر کے الفاظ فرمائے ہیں، اور متشابہات کے سمجھنے کے لئے "تاویل" کرنا فرمایا اور لفظ "تاویل" کا مطلب خود ہی اس طرح ظاہر فرما دیا۔ پارہ ۱۲، سورت ۱۲، آیات ۳۶، ۳۷ میں فرمایا کہ "جب یوسفؑ کو جیل میں داخل کیا گیا تو ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل ہوئے اور ان دونوں نے یوسفؑ سے اپنے خوابوں کی تاویل دریافت کی چنانچہ انھوں نے تھوڑی دیر اللہ پر ایمان لانے کی تلقین کرنے کے بعد ان کے خوابوں کی علیحدہ علیحدہ "تاویل" بتا دی" (یعنی تھوڑے سے غور کرنے کے بعد ان خوابوں سے مطلب اخذ کر لیا)

پھر اسی سورت کی آیت ۴۳۔۴۴ میں فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ "وہاں کے بادشاہ نے بڑا عجیب سا خواب دیکھ کر اپنے دربار کے سمجھدار

لوگوں سے اس کی تعبیر پوچھی تو ان لوگوں نے کہا کہ ایسے پریشان خیالی کے خوابوں کی "تاویل" ہم نہیں جانتے[۱]۔ "(ان الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ تاویل کسی خاص قاعدے کے ماتحت نہیں کی جاتی۔ بلکہ تاویل کرنے والے کے اپنے اندازے اور قیاس پر ہوا کرتی ہے) اور یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے آیات "متشابہات" کی تشریح کے لئے بھی فرمایا ہے۔ جب کہا کہ ان آیات کی "تاویل" اللہ کے بعد عالم لوگوں کو معلوم ہو سکے گی یعنی علمائے راسخین کو۔

عربی اور عجمی زبانوں کا فرق

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علیم اور حکیم خدا نے آیات متشابہات کو درمیان میں لانے کے لئے ہی اپنے کلام پاک کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، ورنہ پارہ ۲۴ سورت ۴۱، آیت ۴۴ میں یہ کیوں فرمایا جاتا کہ "اگر ہم اس قرآن کو عربی زبان کے بجائے کسی عجمی زبان میں نازل کر دیتے تو کہتے

---

[۱] لیکن اسی خواب کی تاویل حضرت یوسف علیہ السلام نے بتا دی۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاءؑ کے سوائے دوسرے عام انسان تاویل نہیں کر سکتے۔ بادشاہ نے جو درباریوں سے دریافت کیا تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ پہلے بتلاتے رہتے ہوں گے۔ اس موقع پر تو یہ مصلحت خداوندی تھی کہ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ تک پہنچانا مقصود تھا۔ باقی رہا خواب اور تاویل کا معاملہ سو عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر انسان کو کبھی نہ کبھی سچے خواب نظر آجاتے ہیں جیسا کہ مصر کے بادشاہ اور دو جوان قیدیوں کو، اگرچہ وہ کسی نبیؑ کی امت میں سے نہ تھے اور اپنے بندوں کو سچے خواب دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے اور اس مصلحت کا انکشاف یعنی تاویل خاصان خدا کے علاوہ عام دنیا دار اور علم والے بھی کر سکتے ہیں جیسے کہ بادشاہ کے درباری۔

والے کہتے کہ اللہ نے قرآن کی آیات کو علیحدہ طرز سے تفصیل کے ساتھ کیوں نہیں سمجھایا۔ بھلا کہیں عجمی زبان عربی کا مقابلہ کر سکتی ہے۔"

یعنی فصاحت وبلاغت میں کوئی زبان عربی کے ہم پلّہ نہیں ہو سکتی عربی زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں اور ایک ایک چیز کے کئی کئی نام۔ اور تو اور کھانا پکانے کے لئے اگر کسی بڑی دیگ میں پانی ڈالا جائے تو اس کا کچھ اور نام ہے، چھوٹی دیگچی میں ڈالا جائے تو اس کا کچھ اور نام۔ یعنی ایک پانی کے بچاسوں نام ہیں۔

اسی طرح ایک لفظ ضَرَبَ ہی کو لے لیں اس کے بیسیوں معنی ہیں مارنا سفر کرنا، اشارہ کرنا، بے تعلق ہو جانا، بزرگی حاصل کرنا، سانپ کا ڈس جانا، اب اس سے ایک جملہ بنایا گیا ضَرَبَ زیدٌ تو کوئی اس کے معنی لکھے گا زید نے مارا، کوئی کہے گا زید نے اشارہ کیا، کوئی کہے گا زید بے تعلق ہو گیا، کسی کے خیال میں زید نے بزرگی حاصل کر لی، کوئی سوچے گا زید سفر پہ چلا گیا اور اپنی اپنی جگہ پر ترجمہ غلط کسی نے بھی نہیں کیا۔ مگر صحیح معاملہ سمجھنے کے لئے دیکھا یہ جائے گا کہ جب زید نے یہ عمل کیا تو اس وقت موقعہ محل کیا تھا اور اسی کے مطابق ترجمہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسی طرح پرانے بزرگوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق آیاتِ

متشابہات کا ترجمہ کر دیا۔ گو انھوں نے اپنی طرف سے بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد کیا مگر وہی معاملہ کہ اس زمانے کا جو ماحول تھا اسی کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے کیا۔ اس کے بعد خواہ حالات کچھ بلکہ بہت کچھ بدل جاتے رہے مگر مسلمان چونکہ اپنے سلف کو ہر طرح قابلِ تقلید سمجھتے ہیں اس لئے آج بھی جو کوئی نیا ترجمہ اور تفسیر لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ بزرگوں کی تجویز اور خیال سے آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتا اور تقریباً وہی کچھ لکھ دیتا ہے جو بزرگ لکھ گئے۔ اس کے علاوہ یہ خوف بھی دامن گیر رہتا ہے کہ مبادا اللہ کے کلام کے ترجمے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے، اس لئے اپنے اوپر یہ ذمہ داری عاید نہیں ہونے دیتا اور یہی صورت کم و بیش صدہا سال سے چلی آرہی ہے۔ لکھنے والوں کی احتیاط کا یہ عالم اور پڑھنے والوں کی کیفیت یہ کہ وہ قرآن مجید کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی کے خیال سے بجائے خود خوفزدہ رہتے ہیں۔ البتہ اپنی روحانی تشنگی کو تسکین دینے کے لئے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کے بجائے اِدھر اُدھر کی روایات اور وزد اور وظائف پڑھ لئے جاتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ کتب احادیث سے اس مذہبی فریضہ کو پورا کر لیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث کے نام پر تو مسلمان کا دل و جان تصدق

ہے اور ہونا بھی چاہیئے مگر شرط یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ وہی ہوں جو حضور سرورِ کائنات کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ راوی در راوی ہوتی ہوئی احادیث ہم تک پہنچی ہیں اور یہ بھی مان لیا جائے کہ احادیث حرف بہ حرف صحیح ہیں۔ پھر بھی اللہ تعالےٰ کے کلام کی تلاوت اور اس کا مطلب سمجھنے کا فرض اپنی جگہ پر قائم ہے بلکہ یہ سب سے مقدم ہے۔

جس طرح اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے لئے ہر دم حاضر و ناظر ہے اسی طرح اس کے کلام کو بھی کم از کم ایک مرتبہ روزانہ پڑھتے رہنا چاہیئے۔ پارہ ۲، سورت ۲، آیت ۱۸۶ میں فرمایا "میرے بندوں کو بتا دو کہ میں ان سے ہر وقت قریب رہتا ہوں اور ہر پکارنے والے اور دعا کرنے والے کی دعا کو سن کر پورا کر دیتا ہوں۔ پس تم بھی تو میری باتوں کو سنو اور سن کر پورا کرو۔" محبت کا جواب محبت سے، چاہت کا چاہت سے اسی لئے اللہ تعالےٰ بھی اپنے بندوں سے امید رکھتے ہیں کہ بندے اللہ تعالےٰ کی باتیں سنیں اور سن کر قبول کریں اور اس حقیقت کو بچے بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں سوائے قرآن کے اور کہیں سے بھی نہیں سن سکتے۔

پس جس قدر ہو سکتا ہے قرآن کو پڑھا جائے۔ پارہ ۱۵، سورت ۱۷، آیت ۸، میں فرمایا "قرآن کو پڑھا کرو۔ صبح کے وقت (یعنی تمام کاموں سے پہلے) قرآن کا پڑھنا اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش ہوتا ہے"۔ یعنی اس کو اللہ تعالےٰ پڑھنے والے کی زبان سے خود سنتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کو سن کر کون ایسا ہوگا کہ جو سب سے پہلے اللہ کے کلام سے اپنے دن کو شروع نہ کرے گا۔

ایک اور عجیب آیت

جو آیات متشابہات کے سربستہ رازوں کا انکشاف کرنے کی گرویدہ بناتی ہیں۔ پارہ ۱۹، سورت ۲۷۔ آیت ۲۵ میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے "لوگ اس اللہ کے سامنے اپنے سروں کو کیوں نہیں جھکاتے جو خدا زمین اور آسمان کے اُن بھیدوں کو اب ظاہر کرنے والا ہے، جن کو اب تک چھپانے کے قابل سمجھا تھا۔"

یہاں پر ایک ہی لفظ خبٔ کے یہ معنی ہیں کہ وہ راز جو چھپانے کے قابل سمجھے جائیں۔ کیا اس آیت سے ایسا معلوم نہیں ہو رہا کہ یہ ہمارے اسی موجودہ زمانے کے لئے نازل کی گئی ہے؟ کیوں کہ اس بیسویں صدی

عیسوی ہی میں تو قدرت کے بہت سے خفیہ راز ظاہر ہو رہے ہیں۔ ایسے کہ ایک کے بعد ایک کا سلسلہ جاری ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں یہ لکھا جائے کہ پرانے ترجموں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "زمین کے چھپے بھید سے مراد سبزہ وغیرہ کا اُگنا اور آسمان کے چھپے بھید سے بارش کا برسنا۔" لیکن لکھنے والوں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہ بھید چھپانے کے لائق کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ شروع ہی سے بارش اور سبزہ اُگنے کا عمل دُنیا میں جاری ہے۔ مگر یہاں بھی وہی کہنا پڑتا ہے کہ پہلے زمانے کے لوگ اس سے بڑھ کر اور کسی چیز کا قیاس کر بھی کیا سکتے تھے جبکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اس سے بڑا عجوبہ اور آیا ہی نہ تھا۔

یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے لوگوں سے یہ راز چھپا کر کیوں رکھے تھے جواب ان آیات کی تاویل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سو اس کا جواب اس مثال سے دیا جا سکتا ہے کہ جس طرح والدین اپنے بچوں کے لئے مال اور ہر قسم کا سامان جمع کر کے کسی محفوظ مقام پر رکھ دیتے ہیں مگر بچّوں کو ان کے راز سے اس وقت تک آگاہ

نہیں کرتے کہ جب تک وہ بچے اپنی عمر اور عقل کو پہنچ کر ان اشیاء سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہ ہو جائیں۔

بالکل اسی طرح اللہ تعالےٰ نے بھی اپنے زمین و آسمان کے خزانوں کے رازوں کے اشارے کر دئے تھے کہ جب یہ راز ظاہر ہو جائیں گے تو سمجھنے والے خود ہی سمجھ لیں گے کہ یہ آیات ان واقعات کا اشارہ کر رہی ہیں۔

قبل از وقت بتانے سے پہلے زمانے کے لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آتا بلکہ دماغ پریشان ہو کر رہ جاتے اور اب تو ان پیش گوئیوں پر غور کر کر کے ایمان تازہ ہوتے رہیں گے۔ کاش کہ آج کے موجد اور محقق ان آیاتِ قرآن سے واقف ہوتے اور دیکھتے کہ ان کا پیدا کرنے والا ان کی اس سرتوڑ جدوجہد سے کس قدر خوش ہے اور جو کچھ یہ لوگ آئندہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، زمین و آسمان کا مالک ان ارادوں کے لئے ان کی کیسی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے؟

جن معاملات میں یہ لوگ تذبذب میں گرفتار ہیں، قرآن ان کو اطمینان دلاتا ہے اور کوششیں جاری رکھنے پر آمادہ کر رہا ہے۔ سطور ذیل میں دیکھئے:

سائنسدانوں کی سب سے بڑی تمنّا

آج کل یہ ہے کہ چاند اور مریخ کے اندر پہنچ جائیں۔ معلوم ہے کہ اللہ تعالٰے اپنے لاڈلے انسانوں کی حوصلہ افزائی کہاں تک فرماتا ہے۔

دیکھئے پارہ ۲۱، سورت ۳۱، آیت ۲۰ میں فرمایا "اے اولادِ آدم! کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے، ہم نے سب کو تمہارے اختیار میں دے دیا ہے اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں سب کی سب تمہارے لئے وقف کر دی ہیں۔"

(اللہ غنی! کتنا بڑا انعام ہے اور کیسی مہربانی۔ کاش کہ اولادِ آدم اپنے اللہ کا احسان ماننے اور اپنی ہستی کی قدر پہچاننے اور حیوانیت کے چکّر سے نکل کر آدمیت کے دائرے میں داخل ہو کر اپنی روحانیت کو ترقی دے اور دنیا کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ آخرت کی نجات کی بھی حقدار بن جائے۔)

اور دیکھئے کیا فرمادیا:

پارہ ۲۷، سورت ۵۳، آیات ۳۹۔۴۰ کا مفہوم یہ ہے کہ "اے انسانو! کائنات کی تمام نعمتوں میں سے تم جو چاہو لے سکتے ہو۔ ہم تو یہ دیکھیں گے کہ تم کس کس چیز کے حصول کی کوشش کرتے ہو۔" (یہ ہے اس پیدا کرنے

والے کا کلام کہ جو ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے)

پارہ ۱۴، سورت ۱۵، آیت ۲۱ میں فرمایا "ہمارے پاس تو ہر چیز کے خزانے موجود ہیں۔ مگر ہم اندازے کے بموجب ان خزانوں میں سے تم کو دیتے ہیں۔" مقصود یہ کہ اگر زیادہ لینا چاہو تو اپنی کوشش سے لے سکتے ہو۔

آسمان کے سیاروں اور چاند کے اندر جانے کی کوششیں

قرآن پاک کے پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۳۳-۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اے جنوں انسانوں کے گروہ! اگر تم سے ہو سکتا ہے کہ زمین آسمان کے اقطار میں سے نکل کر آگے کو نفوذ کر جاؤ تو کر کے دیکھ لو۔ تم نہ کر سکو گے۔ مگر سلطان" کی مدد سے (اس کوشش میں) تم پر آگ کے انگارے اور پگھلی ہوئی دھاتیں برسیں گی۔ اور کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے گا۔"

چنانچہ یہی ہوا کہ جب تک سائنس دانوں نے خاص الخاص قسم کے مضبوط راکٹ ایجاد نہیں کر لئے اس وقت تک خلانوردی میں انہی مذکورہ بالا خطرات کا خوف لاحق تھا۔ اور اب اگر چاند کے راستے میں نہیں تو چاند کے اندر پہنچکر وہاں پر ٹھہرنے کے لئے انہی خطرات

کے پیش نظر چاند کے غاروں میں جا کر رہنے کی تجاویز پر غور کیا جا رہا ہے.

مذکورہ بالا آیات میں سب سے پہلے تو یہ اشارہ قابل غور ہے کہ انسان زمین اور آسمان کے اقطار سے نکل کر نہ جا سکیں گے. مگر ہاں.. "سلطان" کے ذریعہ سے (قرآن کی زبان میں سلطان راکٹ کو کہا گیا ہے. جس کا بیان آگے آتا ہے) اس آیت میں یہ دونوں باتیں آگئیں کہ باہر نکل کر جانے سے انکار بھی ہے اور سلطان کے ذریعہ چلے جانے کا امکان بھی ہے امکان تو اپنے نظام شمسی کے سیاروں میں جا سکنے کا ہے. کہ راکٹوں کی قوت اور تیزی کے ذریعہ زمین کی کشش کے دائرے سے باہر نکل جائیں گے. اور انکار اسلئے ہے کہ اپنے نظام شمسی سے باہر نکل کر کسی اور سیارے میں پہنچنا ناممکن ہے.

اسلئے کہ ہر وہ سیّارہ جس میں جانے کا انسان ارادہ کرے گا وہ ہماری زمین کی طرح کسی نہ کسی اور سورج کے گرد گھوم رہا ہوگا اور حالیہ تحقیق کی رُو سے ہر ایک سورج یعنی ستارہ ہمارے راکٹ سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ہمارے سورج سے دُور ہٹتا جا رہا ہوگا. اسلئے کسی دوسرے نظام کے سیاروں میں ہمارا جا پہنچنا ناممکن ہے.

سائنس نے یہ تحقیق کر لیا ہے کہ کائنات کے تمام ستارے بڑی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے دُور دُور ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔ اور آسمان پھیلتا جاتا ہے۔

لیکن اس پر بھی غور کیجئے کہ سائنس کو تو آج اس حقیقت کا پتہ چلا ہے مگر قرآن حکیم آج سے چودہ سو سال پیشتر پارہ ۲۷ سورت ۵۱ آیت ۴۷ میں فرما چکا ہے۔ کہ ہم نے اپنی خاص قدرت اور حکمت سے آسمان کو بنایا اور یقیناً ہم اسکو پھیلاتے جا رہے ہیں"

قرآن کے ایسے انکشافات کو پڑھ کر فرطِ حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ قرآن نے یہ سب کچھ اس زمانے میں فرمایا کہ جب آسمان کو ایک ٹھوس چھت اور ستاروں کو اسمیں میخوں کی طرح جڑا ہوا خیال کیا جاتا تھا۔ اور جس "سلطان" کے ذریعہ انسان اپنی زمین اور نظام شمسی کے دوسرے سیاروں سے نکل کر جا سکیں گے اس لفظ سلطان کے معنی ہیں زبردست طاقت، انتہائی تیزی۔ پوری قدرت، صحیح رہنمائی اور بادشاہت اور یہ اشارہ ان راکٹوں کا ہے کہ جنکی تیاری میں بادشاہتوں کے خزانے ہی صرف ہو رہے ہیں۔

وہ راکٹ زبردست طاقت اور انتہائی تیزی کے ساتھ ۲۵ ہزار میل فی گھنٹہ کی طوفان خیز رفتار سے زمین کی کشش کے دائرے سے باہر نکل جاتے ہیں اور انہیں سوار خلاباز پوری قدرت اور مہارت سے ان کو چلاتے ہیں۔ اور زمین پر بیٹھے ہوئے دوسرے سائنس داں ان راکٹوں کی ایسی صحیح رہنمائی کرتے رہتے ہیں کہ اگر ایک سیکنڈ کا فرق ہی پڑ جائے تو تباہی لازمی ہو جائے۔

مذکورہ بالا آیات میں دوسرا لفظ "اقطار" قابل غور ہے۔ اقطار جمع ہے قُطر کی جس کے معنی ہیں گول کروں کا "دَل یا موٹائی" جیسے کہ ہماری زمین کا قطر آٹھ ہزار میل اور محیط ۲۵ ہزار میل مانا گیا ہے۔

پُرانے ترجموں میں، اقطار کا ترجمہ زمین آسمان کے کنارے، لکھا ہوا ملے گا۔ شاید اس مناسبت سے کہ بظاہر دونوں کے کنارے ملے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُس زمانے میں چاند سیاروں کے اندر جانے کا کوئی تصوُّر ہی نہ تھا۔

تیسرا لفظ ہے "نفوذ" کر جانا یعنی کسی چیز کی کشش سے نکل کر دوسری چیز کی کشش سے اسمیں کھنچے چلے جانا جیسے کہ زمین کی کشش کے دائرے سے نکل کر چاند راکٹ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ آج تو اس حقیقت

سے بچہ بچہ واقف ہے. مگر خیال کیا جائے چودہ سو سال پہلے کا جب یہ اشارے
قرآن نے فرمائے.

مزید تعجب کی بات یہ کہ "سلطان" کے لفظ میں راکٹ کی
صورت شکل کا اشارہ بھی پوشیدہ ہے. وہ اس طرح کہ لفظ "سلطان"
کے مادّے کے حروف س. ل. ط. سے ایک لفظ "سلطۃ" مشتق
ہوتا ہے جس کے معنیٰ ہیں وہ خاص طور سے پتلا اور لمبا تیر کہ جو بہت ہی تیزی کے
ساتھ اپنی کمان سے نکل کر عین نشانے پر جا لگتا ہے.

یہ ہے قرآن کا کمال! کہ اسکے ایک ایک لفظ میں معانی کے گویا دریا
بھرے ہوئے ہیں. یہی وجہ تو ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک اور ازل سے لیکر
ابد تک کے تمام حالات قرآن کے اندر سما گئے ہیں. اور اس لئے قرآن کی وہ آیت
نازل فرمائی گئی کہ "ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے حرفوں کے ہیر پھیر اور
ردوبدل سے کائنات کی کل حقیقتیں بیان کردی ہیں. مگر بہت سے لوگ انکو
سمجھنے کی کوشش کرنے سے انکار کرتے ہیں." (پارہ ۱۵ سورت ۱۷ آیت ۸۹)

سخت تعجب کا مقام ہے کہ اس قسم کی خدائی تنبیہہ کو پڑھکر بھی اہل
قرآن متشابہ آیات کے سمجھنے کی طرف توجہ نہیں کرتے. میں نے تو اسی فرمانِ
ربی سے متاثر ہو کر یہ زیر نظر کتاب لکھنے کی کوشش اور جرأت کی ہے.

اتنا اور عرض کر دوں کہ اس کے لئے کسی لمبی چوڑی علمیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عربی لغات کی مدد سے بہت کچھ سمجھ میں آسکتا ہے۔

عربی لغات کے مطالعہ سے انسان محوِ حیرت ہو جاتا ہے کہ اس زبان میں ایک ایک لفظ کے اتنے زیادہ معنی ہیں بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف معنی جنکو "لغت تضاد" کہا جاتا ہے کہ جو عربی زبان کی خصوصیت ہے اب جائے غور ہے کہ ایک ترجمہ کرنے والا آخر ایک لفظ کے کتنے معنی لکھ سکتا ہے۔ یہی ہو گا کہ وہ ان سب میں سے کسی ایک معنی کو منتخب کر لے گا اور جب کوئی دوسرا شخص ترجمہ لکھے گا تو وہ اپنی تجویز سے اسی لفظ کے کوئی دوسرے معنی لکھ دیگا۔ اور اپنی اپنی جگہ پر دونوں کے لکھے ہوئے معنی صحیح ہونگے۔ اسی لئے پرانے ترجموں کے مقابلے میں کسی نئے ترجمے کو غلط خیال کر لینا مناسب نہ ہو گا۔ بلکہ خود ڈکشنری سے تحقیق کیا جائے۔

اور یہاں یہ سب یاد رکھنا ضروری ہے کہ جس عربی لغات سے مدد لی جائے وہ لغات القرآن کے نام سے نہ ہو کہ اسمیں تو وہی معنی لکھے ہونگے جو پرانے ترجمہ کرنیوالوں نے لکھ دیئے ہیں۔۔ اور نہ یہ لغات کوئی ایسی دُور از کار ہو جیسی ممالک غیر میں لکھی جا رہی ہیں۔ بلکہ یہ لغات سابقہ

زمانے کی کوئی مشہور ہو۔ اور کچھ نہ ملے تو مفتاح اللغات ہی لے لیں کہ جو چھوٹی ہے اور پاکستان میں آسانی سے مل جاتی ہے۔

چاند کے بارے میں ایک عجیب انکشاف

پارہ ۳۰ سورت ۸۴ آیات ۱۸-۱۹-۲۰ میں فرمایا۔ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ مفہوم اس کا یہ ہے کہ اور ہم کو چاند کی اس حالت کی قسم جب کہ وہ سقّے کا کام کرتا ہے اور کرے گا تم لوگ (اسکے ذریعہ) ضرور ایک طبقے سے دوسرے میں سواری پر سوار ہو ہو کر جاؤ گے۔ پھر ان کو کیا ہو گیا کہ وہ ایمان نہیں لاتے"۔ (یعنی خدا کی قدرتوں کے اتنے جلوے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ خدا پر تو ایمان لے ہی آئیں گے۔ ایمان تو اس پاک قرآن پر لانا چاہیئے کہ جس نے چودہ سو سال پہلے یہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

ان ہر سہ آیات میں دو الفاظ قابل غور ہیں" تَسَقَ" اور" لَتَرْكَبُنَّ" تسق کے معنی ہیں سقّے کا کام کیا یا کرے گا۔ یہ لفظ مشتق ہے مصدر "تسقیّہ" سے جس کے معنی ہیں "پانی بھرنے کا پیشہ" لفظ "استقا" بھی اسی سے مشتق ہوا ہے۔ جس کے معنی ہیں پانی پلانا اور مشکیں بھر بھر کر پانی کے اتارنے چڑھانے

کا کام کرنا۔ اور ساقی کے نام سے تو سبھی واقف ہیں جسکے معنی "پلانیوالا" ہے۔

پس لفظ تسق چاند کے لئے فرماکر اول تو اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمادیا کہ سمندر کا مدّ و جزر چاند کی کشش سے ہے۔ دوم یہ امید دلادی کہ آئندہ چاند میں جاکر رہنے والوں کو وہاں پانی مل جائے گا بلکہ پانی کے مل جانے کا اشارہ تو قرآن پاک کے پارہ ۲۹ سورت ۷۲ آیات ۱۶-۱۷ میں بھی ہے جہاں فرمایا ہے کہ اگر ان لوگوں نے ہمارے قانون کے مطابق کام کیا تو ہم ان کو بہت افراط سے پانی پلادیں گے تاکہ پھر ان کا اور امتحان لیں اور ان کو تعجب میں گرفتار کریں۔" اسکے بعد دوسرا لفظ ہے "لَتَرْكَبُنَّ" جس کے معنی ہیں تم لوگ ضرور کسی مرکب (سواری) کے راکب (سوار) بن کر ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں جاؤ گے۔ پرانے ترجموں میں اس آیت کے معنی یہ لکھے ہوئے ملیں گے کہ "جنت کے ایک طبق سے دوسرے میں ضرور چڑھو گے۔" حالانکہ جنت کے طبقوں میں چڑھنے کیلئے کسی سواری کی کیا ضرورت؟ یہاں تو ایسا محاورہ ہو سکتا ہے کہ جیسے ایک کلاس سے دوسری میں چڑھنا۔ نہ کہ کسی سواری میں سوار ہو کر جانا۔

پس یہ اشارہ توچاند اور سیاروں کے سفر کا ہے اور اس آیت سے یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ چاند درمیانی سٹیشن بنے گا۔ اور آج یہی تجویز سائنس دان بھی کررہے ہیں۔

چاند میں جاکر آپس میں بہت دلچسپ کھیل کھیلیں گے

پارہ ۳۰ سورت ۹۱ آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ اور ہمکو چاند کی اس حالت کی قسم جبکہ اسکے اندر آپس میں دلچسپ کھیل کھیلیں گے"۔ لفظ تلٰہی کے معنی ہیں دو فریقوں کا کھیل میں شریک ہونا اور یہ فریق فی الحال تو امریکہ اور روس معلوم ہوتے ہیں۔ آئندہ خدا کو علم کہ کون کون اس کھیل میں شریک ہوتا ہے۔ ابھی تو آیت کی لفظی مناسبت سے دو مرتبہ جو خلا نورد چاند پر اُترے تو وہ بھی دونوں مرتبہ ۲ دو دو ہی تھے۔ اور موجودہ نسلوں کی خوش نصیبی ہے چاند کے یہ کھیل ۲۱ جولائی سنہ رواں سے شروع ہوگئے ہیں۔ لفظ تلٰہی جس عربی مصدر سے مشتق ہے وہ ہے "تلاہ" اور اسکے معنی ہیں کھیلنا۔ پانی نکالنا۔ اور ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار آنا ہر قسم کی تلاش و تجسس کرنا۔ اور انتظار میں رہنا" لہٰذا اب مذکورہ آیت مبارک کا ترجمہ یوں ہوگا" ہم کو چاند کی اس حالت کی قسم جب کہ اسمیں داخل ہوکر آپس میں دلچسپ کھیل کھیلیں گے۔ اور

ایک دوسرے کے بعد لگاتار آتے چلے جائیں گے۔ پانی نکالیں گے اور ہر قسم کی تلاش و تجسّس میں رہیں گے اور انتظار گاہیں بنائیں گے۔"

یہ ہے قرآن اور اسکے عربی الفاظ کا اعجاز۔ اس آیت کے معنی تو آپ کو کسی سابقہ ترجمۂ قرآن میں نہ مل سکیں گے۔ اگر دیکھنا ہو تو عربی زبان کی مستند ڈکشنریوں میں سے نکال لیجئے۔

اور یہ امر بھی قابل غور ہے کہ چاند سے متعلق ان دونوں مذکورہ آیات سے چاند میں پانی کا مل جانا ظاہر ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ جس دن پانی مل جائے گا یا پیدا کر لیا جائے گا تو اس دن قرآن پاک پر ایمان قائم ہونے کا ایک اور ذریعہ حاصل ہو جائیگا۔

اور یوں بھی چاند میں دو انسانوں کا بیک وقت جانا، اور لگاتار جاتے رہنا اور دوسرے اشاروں کا پورا ہو جانا بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے

چاند کے سفر میں قرآن پاک کی ایک اور صداقت

جب خلانوردوں کا راکٹ چاند سے واپسی پر زمین کی پُرزور کشش کے اثر سے ۲۵ بلکہ ۳۰ ہزار میل فی گھنٹہ کی قیامت خیز رفتار سے زمین کی طرف کھنچا چلا آتا ہے تو اس وقت تیز ہی رفتار سے یہ راکٹ سراپا آگ کا گولہ بن جاتا ہے۔ لیکن سائنس کا کمال دیکھئے کہ نہ تو وہ راکٹ اور

اسکے تار و پرزے جل جاتے ہیں اور نہ اسکے اندر خلانوردوں ہی کو کچھ آنچ آتی ہے۔ اسلئے کہ اول تو وہ راکٹ ہی ایسی ترکیب سے بنایا جاتا ہے کہ وہ مجسم آگ بن کر بھی سلامت رہے۔ دوئم خلانوردوں کو ایسا لباس پہنا دیا جاتا ہے کہ جس پر آگ کا اثر نہ ہو۔

اب سنئے کہ قرآن مجید ان چیزوں کے لئے کیا فرما چکا ہے۔ پارہ ۱۴ سورت ۱۶، آیت ۸۱ میں فرمایا۔ اے انسانو! (خلانوردو) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے سرابیل بنا دے گا کہ جو تم کو آگ میں جلنے سے بچالیں گے اور ایسے سرابیل بھی کہ جو تم کو ہر قسم کی آفات اور بلاؤں سے بچالیں گے۔" آیت مبارک کے الفاظ یہ ہیں۔ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیلَ تَقِیکُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیلَ تَقِیکُمْ بَأْسَکُمْ ۝ اس آیت میں دو قسم کے سرابیل کا ذکر فرمایا ہے ایک تو وہ خاص لباس جو خلانوردوں کو پہنا دیا جاتا ہے اور وہ انکو آگ اور ہر آفت سے بچاتا ہے۔ دوسرا سرابیل جو ان کو ہر قسم کے بأس سے بچاتا ہے وہ ہے راکٹ اور راکٹ کی شکل و صورت کا اشارہ بھی تو اسی لفظ "سرابیل" میں فرما دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ لفظ "سرابیل" کے مادّے کے حروف یعنی س۔ ر۔ ب۔ "سرب" کے معنی ہیں شکاری جانور مثلاً شیروں کے چھپ کر بیٹھنے کے بھٹ اور بھٹ وہ راکٹ ہیں کہ جن میں شیرِ دل

خلانورد گویا چاند کے شکار کیلئے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر اس کی زمین پر جا کودتے ہیں گویا راکٹ دوسرا سرابیل ہے جو خلانوردوں کو ہر قسم کے باس سے بچاتا ہے۔ لفظ "باس" کے معنی سخت آفت، ہتھیاروں کے حملے۔ انتہائی خوف، اور مصیبت ہر قسم کی بلائیں۔ خدا کی شان دیکھئے کہ راکٹ خود مجسم آگ بن کر تو جلنے سے بچتے ہی ہیں، مگر حال ہی میں اپالو ۱۲ جس وقت امریکہ نے اڑایا تو وہاں پر بادو باراں کا طوفان آیا ہوا تھا۔ اوپر بلند ہوتے ہی راکٹ پر آسمانی بجلی گری۔ مگر راکٹ سلامت رہا اور جب خلانوردوں نے چاند گاڑی میں بیٹھ کر راکٹ کو دیکھا تو بجلی گرنے کی جگہ سیاہ ہو رہی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ راکٹ کے اسی حصے میں اس کے ایندھن کا آتش گیر مادہ بھرا ہوا تھا۔ مگر خدا کی قدرت کہ نہ راکٹ اوپر سے ٹوٹا نہ اس کے اندر کسی چیز کو نقصان پہنچا یہ ہے سچے خدا کا سچا کلام اور اس کے معجزے کہ جس نے یہ سب کچھ چودہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا، اور یہ ہے عربی زبان کے الفاظ کا کرشمہ کہ ایک ایک لفظ میں سے اتنے معانی نکل آتے ہیں۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پارہ ۲۴ سورت ۴۱ آیت ۴۴ میں فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ایسی ہی مصلحت سے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کو پوری طرح سمجھ سکیں پھر فرمایا کہ عربی زبان کا مقابلہ دنیا کی دوسری زبانیں نہیں کر سکتیں"

اسی لفظ "سرب" یعنی "بھٹ" کا اشارہ اس امر پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ چاند میں جاکر ٹھہرنے والے اسکے غاروں یا بھٹوں میں ٹھہریں گے. تاکہ شہاب ثاقب کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں. جو وہاں ہر وقت گرتے رہ کر قرآن پاک کی اس آیت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں کہ اے لوگو! آسمان کے گولوں میں تم پر آگ اور پگھلی ہوئی دھاتیں برسیں گی. پھر اسی سرابیل والی آیت کے آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ اے انسانو! (خلانوردو!) یہ سب نعمتیں ہم تمہارے لئے اس واسطے پوری کر رہے ہیں کہ تم اپنے اللہ کو "تسلیم" کرلو (یعنی مان لو کہ وہ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے" یہاں تسلیم کے لفظ میں اسلام کے قبول کرنیکا اشارہ بھی آگیا ہے جو انشاء اللہ ایک دن ہو کے رہیگا. آمین

چاند کے بارے میں ایک اور بشارت

یعنی سورہ القمر کی معرکتہ الآرا آیات - یوں تو ان آیات کے کئی مفہوم ہیں مگر یہاں ایک ہی بیان کیا جاتا ہے باقی انشاء اللہ کسی اور مقام پر وہ آیات شریف یہ ہیں پارہ ۲۷، سورت ۵۴ آیات ۱، ۳، ۴، ۵ میں فرماتے

ہیں جس کی تاویل یہ ہے کہ "وہ وقت آگیا کہ چاند ٹوٹنا شروع ہو لوگ اس میں قیاس آرائیاں کیا کرتے تھے اور یقین نہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ حالانکہ ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ یہ کام کامل عقل اور حکمت کا ہے۔ اس میں خوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ ترجمہ تو آیت ۱، ۳ اور ۵ کا ہے۔

اس کے بعد اب چوتھی سنسنی خیز آیت کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جسکے لئے جتنے سجدہ شکر کئے جائیں کم ہیں وہ آیت مبارک یہ ہے کہ "اوپر بیان کی ہوئی خبر تمہارے لئے ان خبروں[۱] میں سے ایک ہے کہ جن میں یا جنکی تاویل کرنے میں کوئی ممانعت اور سزا یا تنبیہ نہیں ہے۔" اس آیت کا ترجمہ نہایت صاف ہے سوائے ایک خط کشیدہ جملے کے۔ کہ یہاں بجائے "جن میں" کے "جن کی" "تاویل کرنے میں جملہ محذوف بڑھا دیا گیا ہے۔ یعنی اس آیتِ مبارک کے ذریعہ اس سراپا تقصیر راقم الحروف کو رحیم و کریم خدا کی طرف سے ان سب تاویلات کی اجازت عطا ہو گئی ہے کہ جو میں نے اس تحریر میں لکھیں یا آئندہ بحکم خدا جو کچھ سوجھ جائے گا اور نہ صرف مجھ کو بلکہ ہر صدق دل سے پڑھنے والے کو غور خوض کے بعد

---

[۱] ان خبروں میں سے یہ ایک ہے یعنی ایک یہی خبر ایسی نہیں کہ جس کی تاویل پر کوئی رکاوٹ اور تنبیہہ نہیں بلکہ ایسی اور بھی کہ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

تادیل کرنے کی اجازت مل گئی - الحمداللہ

میری تو یہ مدت العمر اور شبا بہ روز کی والہانہ دماغ پاشی کا ماحصل ہے اور الحمداللہ کہ آج اسی خداوندی حوصلہ افزائی کے طفیل یہ مضمون صفحۂ قرطاس کے اوپر نمایاں ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہے - جب تک یہ آیت مقدسہ نظر سے نہ گزری تھی یا یہ کہ اس پر پورا غور نہیں کیا تھا - اس وقت تک اِن اوراق کے شائع کرانے میں سخت تذبذب تھا -

ہماری زمین جیسی اور بھی ہیں

کچھ مدت پہلے سائنسدانوں کو بھی یہ یقین نہیں تھا کہ ہماری زمین کی طرح اور زمینیں بھی ہیں لیکن قرآن مجید نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی کہدیا تھا کہ ایسی اور بہت سی زمینیں ہیں - پارہ ۲۸ سورت ۶۵، آیت ۱۲ میں فرمایا - مفہوم اس کا یہ ہے کہ " اگر اللہ کو پہچاننا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان بنائے اور دیگر بہت سی زمینوں میں سے سات ہی زمینیں ایسی بنائیں کہ ان میں اللہ کے حکم سے جو کچھ ہو رہا ہے - تم لوگ اس سے واقف ہو کر جان لو گے کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس کا علم زمین و آسمان سب پر حاوی ہے "۔

یہی لگن تو اس زمین والوں کو لگی ہوئی ہے کہ زہرہ، مریخ وغیرہ کے مفصل حالات معلوم کریں اور کسی طرح ان میں جا سکیں۔ لہٰذا اس آیت کی رُو سے کچھ حالات تو ایسے معلوم ہونگے کہ جن سے اللہ کی قدرت کے قائل ہو جائیں گے اور یہ کیفیت تو سنی سنائی نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے پر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ تیسری بار اللہ تعالےٰ نے امید دلائی ہے کہ انسان سیّاروں میں جائے گا۔

آیت مذکورہ میں یہ الفاظ فرما کر "زمینوں میں سے یہ سات زمینیں" ظاہر کر دیا کہ اور بھی بہت سی زمینیں کائنات میں ہیں۔ ہماری زمین جیسی سات زمینیں یعنی ہمارے نظام شمسی کے سات سیارے زمین کے علاوہ اور ان کے لئے کس حیرت انگیز طریق سے فرمایا کہ تم زمین والے اُن کے حالات سے واقف ہو جاؤ گے اور وہ حالات ایسے عجیب وغریب ہوں گے کہ انسان اللہ کی قدرتوں کے قائل ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ

بہت سی زمینوں کے ہونے کا ایک اور ثبوت پارہ ۲۹، سورت ۷۰، آیات ۴۰-۴۱ میں فرمایا "میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے خدا کی۔" (ہماری زمین کا ایک مشرق ہے اور ایک مغرب، یہ بہت سے مشرق

و مغرب اور بہت سی زمینوں کے ہوں گے اور وہ زمینیں بھی اپنے اپنے سورج کے گرد گھوم کر اپنے مغرب و مشرق بنا رہی ہوں گی۔

اتنا تو زمین والے بھی اب جان گئے ہیں کہ بہت سی زمینیں اور ہیں لیکن یہ قطعی معلوم نہیں کہ ان میں ہمارے جیسے انسان آباد ہیں یا نہیں۔ آیئے جبکہ تمام معلومات اللہ کے کلام پاک سے حاصل ہو رہی ہیں، یہ بھی قدرت کی اس عالمگیر انسائیکلو پیڈیا (قرآن) ہی سے دریافت کریں کہ اور زمینیں آباد ہیں، اور اگر آباد ہیں تو ان میں انسان ہیں یا نہیں؟ قرآن فرماتا ہے کہ

دوسری زمینوں میں بھی انسان آباد ہیں!

لیجئے سن لیجئے:

پارہ ۲۵، سورت ۴۲، آیت ۲۹ میں پہلے ہی فرما کے رکھا ہے۔ "اللہ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے جہاں زمین و آسمانوں کو بنایا وہاں ان دونوں میں ایک جیسے دابہ بھی پیدا کر دئے ہیں"۔

لیجئے مشکل حل ہو گئی کہ زمین جیسے دابہ آسمانوں میں بھی ہیں مگر کہہ سکتے ہیں کہ دابہ کا پیدا ہونا تو معلوم ہوا مگر انسان کے دوسرے سیاروں میں پیدا ہونے کا ثبوت نہیں ملا، کیونکہ دابہ کے معنی سب جگہ جانور ہی لکھے ہوئے ہیں

لیکن اللہ پاک کے کلام کا یہی تو کمال بلکہ معجزہ ہے کہ اس کی ایک مقام کی آیت کی تفسیر دوسری جگہ کی آیت سے ہو جاتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تلاش کرنے والا تشنہ کام رہ جائے۔ لیجئے دابہ کے صحیح معنی قرآن کی اس آیت نے بتا دیئے کہ جہاں پارہ ۱۴، سورت ۱۶، آیت ۶۱ میں دابہ کے لئے لکھا:

"تمہارا خدا بڑا ہی رحیم و کریم اور تحمل والا ہے ورنہ اگر وہ انسانوں کو انکے گناہوں کی سزا وقت کے وقت دینے لگے تو روئے زمین پر کسی دابہ کو نہ چھوڑے۔ لیکن اعمال کا بدلہ اس نے ایک وقتِ مقرر پر موقوف رکھا ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو نہ ایک ساعت آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے۔"

اب یہاں پر دنیا والے خواہ کچھ بھی سمجھیں لیکن قرآن سے تو ثابت ہو گیا کہ "دابہ" انسان ہے۔ اس لئے کہ جانور گناہ نہیں کر سکتے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ گناہ تو انسان کرے اور سزا دابہ کو ملے کہ کسی دابہ کو سزا کے بغیر نہ چھوڑے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ کم و بیش ہر انسان سزا کے لائق ہے۔ کوئی اپنے آپ کو بے عیب نہ سمجھے۔

اسی زیرِ بحث آیت کے آخری حصے میں اللہ تعالےٰ نے سب سے زیادہ یہ حیرت انگیز انکشاف کر کے رکھ دیا ہے کہ جس کے معلوم کرنے کو تمام سائنسداں

بے قرار ہیں کہ اگر کسی سیارے میں کوئی مخلوق ہے تو کبھی ہم اس کو دیکھ بھی سکیں گے ہ کسی انسان کی کیا طاقت کہ کوئی آنے والے واقعات کی نشاندہی کسی یقین اور وثوق سے کر سکے۔ سوائے اس عالم الغیب خدا کے، جس کو زمین اور آسمان سب کی حقیقت معلوم ہے اور جس کے حکم سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیجئے سائنسدانوں کو مبارک ہو کہ اس کی خوشخبری اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں دیدی ہے کہ زمین آسمان کے دابہ کو، ہم جب چاہیں ملا بھی دیں گے کیونکہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔" (یہ کامیابی خواہ ہزار پانچسو سال کے بعد ہی ہو مگر قرآن مجید نے تو امید دلا دی ہے کہ دیر یا سویر ایسا ہو گا۔ یہاں ہی ثابت ہو گیا کہ دابہ انسان ہیں کیونکہ اکٹھے ہونے اور ملنے ملانے سے انسانوں ہی کو لطف آسکتا ہے چوپایوں کو اس سے کیا سروکار!

انسان خدا کا خلیفہ ہے

پس اس کو ایسے کام کرنے چاہئیں کہ جن سے کچھ تو خدا کا قرب نصیب ہو۔ اس لئے کہ اصل حاکم کا نائب اس کے قریب ہی رہا کرتا ہے۔ بہت لوگ موجودہ ایجادات اور سائنس والوں کے کاموں کو خدائی مقابلہ کہہ کر اچھا نہیں سمجھتے مگر اللہ تعالےٰ اس کو برا نہیں فرماتے بلکہ یہاں تک تو انسان کو

جرأت دلائی جارہی ہے۔ پارہ ۱۸ سورت ۲۳ آیت ۱۴ میں انسان کے بچے کی ابتدائی تخلیق کے وہ مرحلے بیان فرماکر کہ جو ماں کے پیٹ میں ایک جنین کو طے کرنے پڑتے ہیں جن کو سُن کر لوگ حیرت زدہ ہو جاتے ہیں کہ یہ حکمت و ڈاکٹری کی باریکیاں قرآن نے یوں سرسری بیان کر دیں حالانکہ ڈاکٹر لوگ ہزاروں تجربوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ بہرحال مذکورہ آیت میں انسانی پیدائش اور جسمانی بناوٹ کی تمام باریکیاں بیان فرماکر کہتے ہیں کہ مگر اللہ تمام خالقوں سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔"

اور یہ فرمانا اس بات کا اشارہ ہے کہ ایسی ہی چیزیں انسان بھی پیدا کرے گا۔ تب تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم سب سے اچھا بنانے والے ہیں یعنی انسان کو مقابلے کی دعوت دے دی ہے۔ چنانچہ اسی لئے انسان اب بغیر ماں باپ کے بچہ پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اور کہیں انسان کی نقل میں کسی روباٹ کی ایجاد کر رہے ہیں اور کوشش ہو رہی ہے کہ انسانی گوشت پوست کی طرز کا سا کوئی جسم بنا ڈالیں یعنی بوتل میں بچہ بنانے کی افواہیں گرم ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو افواہیں شروع میں مضحکہ خیز سمجھی جاتی ہیں۔ وہ کسی نہ کسی دن عملی جامہ پہن کر سامنے آجاتی ہیں نہ جانے

خدا کا یہ خلیفہ کیا سے کیا کر گزرے گا۔

جہاں اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے بڑی بڑی چیزوں کو مسخر کر دیا، اور بڑے بڑے کاموں کی اس کو جرأت دلادی ہے۔ وہاں چھوٹے سے چھوٹے ذرے کی طرف بھی اس کو متوجہ کیا۔ پارہ ۳۰، سورت ۹۹، آیات ۷-۸ میں فرمایا کہ "جس انسان نے ایک ذرے کے برابر بھی اچھا کام کیا خدا اس کو بھی نمایاں کر دے گا اور جس نے ایک ذرّے کے برابر خراب کام کیا ہوگا تو اس کا نتیجہ بھی اسے نظر آجائے گا۔"

ایٹم کی تھیوری

کہیں باریک سے باریک آخری ذرّوں کا ذکر فرمایا پارہ ۲۲، سورت ۳۴، آیت ۷ میں فرمایا کہ: "کافر کہتے ہیں یہ رسولؐ کیسا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ جب تم ذرہ ذرہ ہو کر انتہائی ذرے بن جاؤ گے تو پھر اس کے بعد تم نئی پیدائش میں آجاؤ گے۔" اس آیت میں ایک لفظ ہے "کُلُّ مُمَزَّقٍ ذرّے کا آخری درجہ۔ جس کے بعد ذرّہ تقسیم نہ ہو سکتا ہو اور یہی آجکل کا ایٹم ہے۔

غرض اس قسم کے اشارے فرما کر لوگوں کے دلوں میں ذرہ کی تحقیق کا خیال پیدا فرمایا اور وہ لوگ کہ جو چاند سیّاروں کی نظارہ بازی کر رہے تھے اور پہاڑوں

کی توڑ پھوڑ کو بہت بڑا کام سمجھ رہے تھے انھوں نے جب ذرّوں سے آنکھ ملائی تو دیکھا کہ ذرے میں تو آنکھ کی پُتلی کی طرح کائنات سمائی ہوئی ہے جو پوری کائنات میں ہے وہی ایک ذرہ بے مقدار کے اندر بھی ہے۔ دیو ہیکل سورج کے گرد اگر سیّارے گھوم رہے ہیں تو ذروں کا نظام بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ بڑے سے لے کر چھوٹے تک سبھی اپنے اپنے دائروں میں تیر رہے ہیں اسی کا اشارہ پارہ ۲۳، سورت ۳۶ آیت ۴۰ میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سورج اور چاند اور رات دن والی زمین سب ساتھ ساتھ گھوم رہے ہیں اور پھر بھی ایک دوسرے کو ٹکر نہیں مار سکتے اور کائنات کی "کل" اشیاء اپنے اپنے دائروں میں تیر رہی ہیں۔

پھر پارہ ۲۳، سورت ۳۶، آیت ۳۶ میں فرمایا جسکا مفہوم یہ ہے کہ "پاک ذات ہے وہ اللہ کہ جس نے کائنات کی کل چیزوں کے جوڑے بنائے یعنی جو چیزیں تم زمین سے اگاتے ہو ان کے بھی اور خود تم جانداروں میں بھی اور ان چیزوں میں جوڑے بنائے جن کو تم نہیں جانتے"۔

اور یہی تحقیق آج سائنس نے بھی کی ہے کہ کُل اشیاء کے جوڑے ہیں خواہ حیوانات ہوں یا نباتات اور جمادات۔

اور سن لیجیے کہ پارہ ۲۰، سورت ۲۷، آیت ۸۸ میں کیا فرماتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ "اے دیکھنے والے! تو پہاڑوں کو دیکھ کر سمجھتا ہوگا کہ یہ ٹھوس اور جمے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے ذرّے تو بادلوں کی طرح گھوم رہے ہیں مگر اس کے باوجود تم اللہ کی کاریگری کو دیکھو کہ تمام ٹھوس اشیاء اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں"۔ اس آیت سے تو بغیر کسی تاویل کے صاف اور واضح طور سے ایٹم کی تھیوری کا انکشاف ہو رہا ہے۔

لیکن اگر پرانے ترجموں میں دیکھا جائے تو وہاں یہ لکھا ملے گا کہ "یہ پہاڑ جو اس وقت جمے ہوئے کھڑے ہیں قیامت کے دن بادلوں کی طرح اڑ جائیں گے اور آیت کے اس آخری اور واضح ترین حصے کی تشریح سابق مترجمین کچھ کرتے ہی نہیں کہ اللہ کی کاریگری کو دیکھو کہ بادلوں کی طرح گھومنے کے باوجود بھی تمام اشیا اپنی اپنی جگہ پر جمی ہوئی ہیں"۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آج سائنس نے ایٹم کے بارے میں جو انکشافات کیے ہیں، گزشتہ زمانے میں نہ ہوتے تھے کہ جس سے ان سابقین کا ذہن اس طرف منتقل ہوتا۔ لہٰذا انھوں نے اس آیت کو بھی قیامت پر محمول کر لیا جیسے کہ اس سے پہلے آیات میں قیامت کا بیان ہو رہا تھا۔

متعلقہ ایٹم بم

پارہ ۲۶، سورت ۵۰، آیت ۳۶ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے "جن لوگوں نے شہروں میں نقب لگادی (یعنی سوراخ کر دیے) وہ لوگ اپنے آپکو خدائی سزا سے بچا ہوا نہ سمجھیں - ان سے بھی زیادہ مضبوط قوموں کو ہم ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں - ان نقب لگانے والوں سے پوچھو (کہ دوسروں کو تباہ کر کے) کیا تم کو اپنی جان بچانے کے لئے کوئی پناہ کی جگہ مل جائے گی ؟" (یعنی نہیں ملے گی)

راقم الحروف ۱۹۴۵ء سے پہلے جب اس آیت کو پڑھتی تھی تو کچھ مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا۔ پرانے مترجمین نے شہروں میں نقب لگانے یعنی سوراخ کر دینے کا ترجمہ یہ لکھا تھا کہ "جن لوگوں نے شہروں کو چھان مارا ہے وہ خدائی سزا سے نہ بچ سکیں گے"۔ اور چھان مارا ترجمہ اس لئے لکھا ہے کہ آیت زیر بحث میں نقب لگانے اور سوراخ کرنے کا ذکر ہے اور سوراخ چھلنی میں ہوتے ہیں۔ یعنی جس قدر ہو سکا ان لوگوں نے لفظ نقب یا سوراخ کی "تاویل" کر دی - حالانکہ چھان مارنے کا محاورہ یہ ہے کہ شہروں میں خوب گھومے پھرے اور ان کو دیکھا بھالا۔ خیال آتا تھا کہ گھومنے پھرنے پر

اللہ تعالےٰ سزا کیوں دیں گے جب کہ خود ہی قرآن میں بار بار اپنے بندوں کو یہ تاکید فرماتے ہیں کہ دنیا میں گھوم پھر کر اپنی معلومات کو بڑھاؤ جیسے کہ پارہ ۲۰، سورت ۲۹، آیت ۲۰ میں فرمایا "اے رسول! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ دنیا میں گھوم پھر کر دیکھو کہ خدا نے کس خوبی اور کاریگری سے کیا کچھ پیدا کیا ہے اور خدا کتنی قدرت رکھتا ہے۔"

خیال آتا تھا کہ کہاں تو یہ ترغیب دلانا اور کہاں یہ کہ شہروں میں گھومنے پھرنے سے سخت سزا ملے گی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا لیکن یہ آیت اس وقت حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ جب ۱۹۴۵ء میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں "ہیروشیما" اور "ناگاساکی" نامی پر دو ایٹم بم گرائے اور وہ دونوں آباد اور معمور لاکھوں انسانوں سے بھرپور شہر دیکھتے ہی دیکھتے مع تمام انسانوں بلکہ عمارتوں کے ہوا میں اڑ گئے اور ان کی جگہ زمین میں دو بڑے سوراخ یا دو بھیانک غار بن گئے تو اس وقت سچے قرآن کی یہ آیت سمجھ میں آئی کہ چودہ سو سال پہلے اللہ تعالےٰ نے اس تباہ کن حادثے کی پیشین گوئی قرآن میں درج فرمائی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ ایسے ہی تباہ کن ایٹم بم دوسری قوموں نے بھی تیار کر لئے ہیں جس سے

ان بم چلانے کی پہل کرنے والوں کو بھی بھاگ کر اپنی جان بچانے کو کہیں جگہ نہ مِل سکے گی۔ یعنی دوسرے لوگ ان پر عرصۂ حیات یوں ہی تنگ کر دیں گے۔

ایٹم بم کے اور اشارے

بھی سُن لیجئے: پارہ ۱۳، سورت ۱۴، آیت ۴۶ میں فرماتے ہیں کہ "ان لوگوں نے بڑی زبردست خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ کو ان کی تدبیروں کا حال معلوم ہے۔ یہ تدبیریں ایسی غضب کی ہیں کہ جن سے پہاڑ الٹ جائیں۔" اسی مضمون کو کیا صاف اور واضح الفاظ میں پارہ ۱۴، سورت ۱۶، آیت ۴۵ میں فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "جن لوگوں نے دوسروں کو تباہ کرنے کے ارادے سے یہ خفیہ تدبیریں یا ایجادیں کی ہیں کیا وہ لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں کہ مبادا ان کی ان ایجادوں سے انہی کی طرف کی زمین پھٹے اور یہ لوگ خود اس میں دھنس جائیں یا ان کی ہیرا پھیریوں سے کسی اور طرح کی تباہی آجائے یا یہ لوگ جس بات سے ڈر رہے ہیں وہی ڈر سامنے آجائے یا کوئی ایسی مصیبت آپڑے کہ جس کا ان کو خیال بھی نہیں۔ وہ تو اللہ کا رحم ہے جس نے دنیا کو بچایا ہوا ہے۔"

اُف کس غضب کی تنبیہہ اور کیسی سرزنش ہے کہ ہوش اڑا دیتی ہے۔ کاش کہ ایٹم بم بنا بنا کر ذخیرہ کرنے والوں کو خدا کا یہ پیغام کوئی پہنچا دے اور سُن لیجئے! پارہ ۲۳، سورت ۳۶، آیت ۴۹ میں کیا فرماتے ہیں کہ "جو لوگ خدا سے نہیں ڈرتے۔ وہ آخر کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا اُن خوفناک دھماکوں[۱] کا جن کو اُس وقت سن لیں گے جبکہ یہ لوگ آپس میں جنگ کر رہے ہوں گے"۔ آج یہی خطرہ تو نظر آتا ہے کہ جس سے ہوش اڑے جا رہے ہیں کہ اگر اب عالمگیر جنگ خدانخواستہ شروع ہو گئی تو اِدھر اُدھر دونوں طرف سے ایٹم بموں کے قیامت خیز دھماکے ہوں گے۔

مگر اس پر بھی تو غور کیا جائے کہ قرآن مبین نے آج کل کے ماحول کا نقشہ چودہ سو سال پہلے ہی سے کیسا کھینچ کر رکھدیا ہے کہ عقل گم ہے۔

اِن خوفناک دھماکوں کا انجام

پارہ ۲۵، سورت ۴۴، آیات ۱۰ تا ۱۲ میں فرماتے ہیں۔ مفہوم اسکا یہ ہے کہ "انتظار کرو۔ کسی دن یہ آسمان دھوئیں سے بھر جائے گا اور لوگوں کو اس کے اثر سے غش آجائیں گے۔ دعائیں کریں گے کہ اے اللہ اس

---

[۱] دھماکہ کا لفظ صَیْحَۃ کا ترجمہ ہے اس کے معنی بہت ہی سخت آواز ہے جسکو بزرگوں نے چنگھاڑ یا کڑکا لکھا ہے

عذاب کو ہم سے دُور کر دے ہم تجھ پہ ایمان لے آئے۔ جواب ملے گا بھلا
اس وقت ایمان لانے سے کیا حاصل ہوگا (جبکہ عمل کرنے کا وقت نکل
گیا) پہلے تو تم لوگوں نے رسولؐ اور اس کی کتاب کو فضول سمجھا اور اس
سے منہ پھیر لیا۔ مگر ہم تو ایسے رحم والے ہیں کہ کچھ مدت کے لئے اس
عذاب کو دُور کر دیں گے لیکن تم لوگ اپنی عادت کے مطابق پھر ویسی ہی
بدعملیاں اور ظلم و ستم کرنے لگو گے۔"

یہ اشارے تو ظاہر کر رہے ہیں کہ یا تو گیس کے بم پھٹیں گے یا ایٹم بموں
ہی سے دھواں نکلے گا کہ جو دُور دُور تک پھیل جائے گا اور معلوم نہیں کہ کن
لوگوں پر سے یہ عذاب ہٹایا جائے گا۔ یقیناً دعا کرنے والوں کے اوپر سے ہی
ہٹے گا کہ جنھوں نے خدا کو یاد تو کیا۔

اب اس سے بھی زیادہ تفصیل سنیئے۔ پارہ ۲۶، سورت ۵۰ آیات
۴۱-۴۲-۴۴ میں فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے "اے موجود شخص تو
سن لینا جس دن آواز نکالنے والا قریب ہی سے آواز نکالے گا اور
یہ بڑا زبردست دھماکہ سنا جائے گا۔ اس دن یہ زمین ان ہی لوگوں
کے ذریعہ سے پھٹ جائے گی اور یہ سب کچھ آناً فاناً ہو جائے گا اور

ایسا ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔"

(افسوس یہ قیامت انسانوں کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ایٹم بموں کے ذریعہ سے آجائے گی۔ انسان اپنی زمین کو خود ہی توڑ دیں گے اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ بم تو سب جگہ تیار رکھے ہیں، صرف بٹن دبانے کی دیر ہے۔ موجودہ زمانے کا یہ ایسا صحیح نقشہ آج سے چودہ سو سال پہلے کسی انسان کے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ کیا اب بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں؟

تمام انبیاءؑ کی نبوّت کو لوگوں سے منوانے کے لئے انہی انبیاءؑ کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے معجزے دکھلائے اور جب نبیؐ آخرالزماں سے بھی لوگوں نے ویسے ہی معجزے طلب کئے تو اللہ تعالےٰ نے پارہ ۲۱، سورت ۲۹ آیات ۴۹ - ۵۰ میں فرمایا "لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ پر پہلے زمانے کے انبیاءؑ کی طرح کے معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ اے رسولؐ تو کہدے کہ میرے معجزے تو ابھی اللہ کے پاس ہیں، وہ جب چاہے گا نازل کر دے گا، بلکہ یوں کہو کہ میرے معجزے علم والوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں اور یوں تو اگر غور کیا جائے تو قرآن کی ہر آیت معجزہ ہے۔"

ایٹم بم کے بارے میں آخری چیز

اور کس قدر حیرت انگیز انکشاف! پارہ ۱۶، سورت ۲۰، آیت ۱۰۲ میں فرماتے ہیں کہ "جس دن یہ دھماکے ہوں گے۔ اس دن جو مجرم ہمارے سامنے پیش ہوں گے وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے۔"

دوسری تمام آیات کی طرح ایٹم بموں سے متعلق یہ آیات بھی قرآن کے پاروں اور سورتوں اور آیات کے حوالے سے لکھی گئی ہیں جن کو قرآن کے متن سے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ زیر نظر ترجمہ پرانے ترجموں سے اکثر مقامات پر مختلف نظر آئے گا جس کے بارے میں گزشتہ اوراق میں تشریح کی جا چکی ہے۔ ان آیات میں لفظ "صُور" اور "صَیحَۃ" آئے ہیں ان کے معنی جھنگھاڑ اور کڑکا لکھے ہوتے ہوں گے میں نے ان کی جگہ دھماکہ لکھ دیا ہے۔ اسی طرح نیلی آنکھوں والے مجرموں کی جگہ سابقین نے لکھا ہے کہ "قیامت کے خوف سے لوگوں کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی" حالانکہ خوف کی وجہ سے بال سفید ہو جانے کا محاورہ تو ہے مگر آنکھیں نیلی ہو جانا کوئی نہیں لکھتا۔

آج دیکھنے والے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایٹم بم کے اصلی

موجد نیلی آنکھوں والے گورے لوگ ہیں۔ تو اگر یہ لوگ اپنے ایٹم بموں سے زمین کو توڑ پھوڑ کر قیامت برپا کر دیں گے کیا مجرم نہ کہلائیں گے؟ مجرم تو وہ بھی ہیں کہ جنھوں نے آج سے ۳۴ سال پیشتر دو شہروں کو اپنے بموں سے اڑا دیا تھا۔ اڑ لئے جانے والے اگرچہ زرد قوم سے تعلق رکھتے تھے مگر اڑانے والے تو نیلی آنکھوں والی سفید قوم کے افراد ہی تھے۔

سفید قومیں

یعنی حضرت عیسٰے علیہ السلام کے حواری یا ان کو ماننے والی قومیں۔ حواری کے لغوی معنی ہیں سفید جلد والے لوگ مگر پرانے ترجموں میں حواری کے معنی "دھوبی" لکھا ہوا ملے گا۔ اس لئے کہ دھوبی کپڑوں کو دھو کر سفید کر دیتا ہے۔ حالانکہ اب بچّہ بچّہ جانتا ہے کہ حضرت عیسٰےؑ کو ماننے والے سفید رنگ یورپین لوگ ہیں۔ اب چاہے سفید قوموں نے سر توڑ کوششوں سے رنگ دار قوموں میں سے کچھ لوگوں کو عیسائی بنا لیا ہے۔ مگر اصل عیسائی سفید رنگ ہی ہیں۔

ان حواریوں کے متعلق قرآن مجید کے پارہ ۷، سورت ۵ آیات ۱۱۲ تا ۱۱۵ میں فرماتے ہیں کہ "عیسٰےؑ ابن مریم سے سفید لوگوں نے کہا کہ اپنے خدا

سے دعا کر کے ہمارے لئے نعمتوں کا خوان یا مجمع آسمان سے نازل کرا دے عیسےٰ نے ان سے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو خدا سے ڈر کر بات کہو۔ حواریوں نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ مجمع ہمارے لئے نازل ہو اور ہم اس کے ذریعہ دنیا پر غلبہ حاصل کریں اور ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو اور ہم یہ بھی جان لیں کہ تو نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس خوان کے خود ذمہ دار بنیں اس پر عیسےٰ نے کہا' اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے نعمتوں کا خوان یا مجمع نازل کر دے تا کہ ہمارے اگلے اور پچھلے سب کے لئے عید ہو جائے اور تیری طرف سے یہ ایک معجزہ ہو جائے۔ یا اللہ ہم کو یہ ضرور دے' تب اللہ نے جواب دیا کہ "یہ نعمتیں میں تم پر نازل کرنے والا ہوں اور کروں گا مگر اس کو بھی یاد رکھنا کہ اتنی نعمتیں حاصل کر کے بھی اگر تم میں سے کوئی فرقہ کفر کرے گا تو اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ آج تک دنیا میں ایسا عذاب کسی کو بھی نہیں دیا۔"

قابل غور ہے

یہ کہ قرآن مجید کے اشارے اور استعارے کیسے حرف بہ حرف صحیح ثابت ہو رہے ہیں کہ سفید قوموں نے خود اپنی کوشش اور جد و جہد سے

آسمانی نعمتوں کا مجموعہ نازل کرالیا یعنی گیس، بجلی، ہوا، سورج، چاند تمام آسمانی نعمتوں سے فائدے حاصل کر رہے ہیں اور اپنی ایجادوں کے ذریعہ ساری دنیا پر غلبہ حاصل کر لیا اور آسمان کی خبر لینے لگے ہیں۔ حواریوں کے الفاظ تھے کہ آسمانی نعمتوں کے اس خوان کے ذمہ دار ہم ہوں گے یعنی ہم ہی اپنی ایجادات سے یہ نعمتیں حاصل کریں گے۔ یوں تو وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ اشیائے ضرورت اور کام میں آنے والے آلات بناتے ہی رہتے تھے مگر موجودہ صدی کی پہلی جنگ عظیم یعنی ۱۹۱۴ء کے بعد سے تو لگاتار اس قدر ایجادات ان سفید اقوام نے کی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے جیسے ان پچاس برسوں کے اندر آسمانی نعمتوں کا واقعی ایک خوان یا مجمع بھر کر ان کے سامنے آگیا۔ اتنی ایجادیں کہ گنیں تو آسانی سے گن نہ سکیں!

لیکن وہ سزا؟

جو اوپر بیان ہوئی کہ اگر آسمان کی اتنی نعمتیں حاصل کرنے کے بعد بھی کفران نعمت کیا اور نعمتیں دینے والے کو بھلا کر رکھ دیا۔ ایسا کہ یا تو سرے سے اس کی ہستی کا انکار ہی کر دیا یا اگر برائے نام اس کا نام لیا بھی تو اس طرح کہ اسی کی مخلوق کے برابر اس کا درجہ کر دیا اور جن کاموں کے کرنے

کا اس نے حکم دیا، ان کو الٹا کے رکھ دیا۔ ہر آسمانی کتاب میں یہ تین اصول بتائے گئے ہیں، اوّل خدا کو ایک مانو، دوّم تم اس بات کا یقین کرو کہ تم جو کام بھی کرو گے خدا کی طرف سے اس کا بدلہ ملے گا اور تیسری دینوی زندگی کے لئے سب سے اہم بات یہ کہ دوسرے انسانوں کو آرام پہنچاؤ یا کم از کم ان کو اپنے آرام کے لئے تکلیفیں نہ دو (نہ یہ کہ اپنی خوشیوں اور ضِدّوں کو پورا کرنے کے لئے لاکھوں ہم جنسوں کا خون بہا کر بھی دل کا ارمان پورا نہ ہو) اور یہ بھی فرما دیا کہ جو شخص ان تینوں اصولوں کو نہ مانے گا، وہ کافر ہے۔ یوں تو ہر زمانے میں کفر کی سزائیں ملتی رہی ہیں، کسی قوم کو پانی میں غرق کیا گیا، کسی پر بجلی گرائی گئی، کسی پر پتھر برسائے گئے، کسی کو تیز ہوا کے ذریعہ اڑا دیا گیا۔ کسی کے دل زور دار کڑکے کی آواز سے پھٹ گئے اور یہ سب سزائیں قدرتی ہوا کرتی تھیں۔

مگر ان آسمانی نعمتوں کا بھرا ہوا خوان لینے والوں کو اللہ تعالٰے نے دنیا کی ان تمام سزاؤں سے نرالی سزا کا خوف دلایا ہے۔ چنانچہ اس سزا کا ایک حصّہ تو آج بچّے بچّے کو نظر آنے لگا ہے اور وہ ہے لاکھوں کی تعداد میں ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا وہ ذخیرہ جو ان لوگوں نے ایک دوسرے

کو برباد کرنے کے لئے خود ہی تیار کر کے رکھ لیا ہے۔ ایسے بم کہ یا تو یہ
لوگ خود ہی ان کو اپنے ارادے سے ایک دوسرے پر چلا دیں گے اور اگر
یہ نہیں تو کسی ذرا سی بھی غلطی کی بناء پر وہ بم ویسے ہی بلا ارادہ پھٹ سکتے ہیں
وہ کسی طرح سے بھی پھٹیں تباہی بہر حال مقدر ہے۔

پس ایسی سزائیں تو قرآن پاک کے فرمانے کے مطابق آج تک کسی قوم
کو بھی نہیں ملیں۔ ذرا تصور کیا جائے ان ہزاروں بموں کے پھٹنے کا اور مقابلہ
کیا جائے ان دو بموں کے پھٹنے سے برپا ہونے والی تباہی کا جو جاپان میں
ہوئی تھی! اور وہ دو بم تو ابتدائی ادنیٰ درجے کے تھے، اب تو ان حواریین
کا دعویٰ ہے کہ ان سابقہ بموں سے ہزار ہزار گنا طاقت کا ایک ایک بم
ہے۔ وائے برایں شامتِ اعمال

تحریر ہذا کے پچھلے اوراق میں جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں یہی
اشارے تو ہیں۔ خصوصًا ایک آیت میں تو صاف طور سے ہی فرما دیا کہ "انہی
لوگوں کے ذریعہ سے زمین پھٹ کر حشر برپا ہو جائے گا۔" الہم حفظنا

قرآن پاک میں اور بیشمار اشارے

غور کرنے سے ملتے ہیں اور جیسے جیسے غور کرتے جائیں گے۔ ایک

زمین ہی کے بارے میں وہ سب کچھ اشاروں میں بتا دیا کہ جو آج محقق سائنسدانوں نے صدیوں کی تحقیقات کے بعد ثابت کیا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے ساری دنیا سمجھتی تھی کہ زمین ایک تھالی کی طرح چپٹی ہے اور ہندوؤں کے ویدوں میں اب تک یہ لکھا ہے کہ زمین کی تھالی گائے کے ایک سینگ پر ٹکی ہوتی ہے۔ جب تھک کر گائے سینگ بدلتی ہے تو زمین میں زلزلہ آجاتا ہے۔

دیکھئے جہالت کے اس تاریک زمانے میں قرآن مجید کائنات کی کس کس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے اور اس طرح سے ڈالتا ہے کہ جس زمانے کے لوگوں کو سمجھانا مقصود ہو وہ تو پوری سمجھ جائیں ورنہ دوسروں کو اِن اشاروں کی اصلا خبر نہ ہو چنانچہ

زمین کے بارے میں اشارات

کچھ اس طرح قرآن میں فرمائے کہ آج وہ تھوڑے سے غور سے پوری طرح سمجھ میں آرہے ہیں۔ پارہ ۱۷، سورت ۲۱ آیات ۳۰ تا ۳۳ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے: "زمین اور آسمان آپس میں سختی سے جڑے ہوئے تھے تو ہم نے زمین کو اس میں سے فتق کر دیا۔ پھر ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے

پھر پانی کے ذریعہ ہر زندہ مخلوق کو پیدا کر دیا۔ پھر زمین میں چلنے پھرنے کو کمان کی طرح خم دار راستے بنا دیئے۔ پھر اس کے رات دن بنائے اور سورج چاند بھی اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں"۔

آیت مندرجہ بالا کی تاویل یوں ہو گی کہ زمین سورج کے جسم سے جڑی ہوئی تھی۔ اس کو اس میں سے فتق کی طرح لٹکا کر گول کر دیا۔ "فتق" چھوٹے لڑکوں کی ایک بیماری ہے کہ جس سے آنت ان کے نیچے کے حصّے سے گیند کی طرح لٹک جاتی ہے۔ گویا ایک ہی لفظ کہہ کر زمین کا پورا نقشہ کھینچ دیا کہ وہ نکل کر گول ہو گئی اور سورج کے ساتھ معلق ہے اور اس کے ساتھ ہی گھوم رہی ہے۔ اس کی گولائی کا بالکل واضح دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اس میں کمان کی طرح کے محرابی راستے بنا دیئے۔ تیسرا اشارہ یہ کہ زمین کے رات اور دن بنا دیئے یعنی وہ اپنے محور پر گھومنے لگی، اور چاند بنایا اور زمین میں سے پانی نکال کر اس سے کل جاندار مخلوق پیدا کر دی اور پھر سورج چاند اور زمین سب اپنے اپنے دائروں میں گھومنے اور تیرنے لگے"۔

غور کرو، کہ سینکڑوں برس کی تحقیق کے بعد آج سائنسداں بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں جن کو قرآن نے ایک اشارے میں بتا دیا ہے۔

دوسرا اشارہ پارہ ۱۴، سورت ۱۵، آیت ۱۹ میں یوں ہے کہ "ہم نے زمین کو کھینچا اور اس میں پہاڑ بنا دیے اور ہر قسم کی موزوں چیزیں اس میں اُگا دیں۔" (یہاں بھی سورج میں سے نکالنے کا اشارہ ہے)

پارہ ۳۰، سورت ۹۷، آیات ۳۰ تا ۳۲ میں فرمایا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ "ہم نے زمین کے گولے کو پُھلا کر پھیلا دیا اور اس میں سے پانی نکالا پھر نباتات کو اس میں اُگا دیا جو تم انسانوں کی اور تمہارے جانوروں کی خوراک ہے اور زمین میں پہاڑوں کو مضبوطی سے گاڑ دیا۔" (زمین کے پیٹ کو پُھلا دیا، یعنی گول کر دیا۔ پھیلا دیا کا مطلب کہ زمین کا گولا خوب بڑا سا ہو گیا۔)

زمین چھ وقفوں میں تیار ہوئی

پارہ ۲۴، سورت ۴۱، آیات ۹ تا ۱۰ میں فرماتے ہیں "ہم نے زمین کو دو دن میں بنایا۔ پھر اُس میں سے پہاڑ نکال دئے اور پھر اس میں بہت سی کارآمد اور اچھی چیزیں پیدا کیں اور سبزہ، نیز ہر قسم کی خوراک پیدا کی اور ان کاموں میں چار دن لگے۔ دو دن پہلے تھے۔ لہٰذا پوچھنے والوں کو بتا دو کہ اس طرح سے زمین چھ دن میں تیار ہوئی۔"

یعنی پہلا دن تو سورج میں سے نکلنے کا اور دوسرا دن اس آگ کے گولے

کے ٹھنڈے ہونے کا اور چار دن دوسری تیاریوں کے۔ آج سائنس نے کچھ اس سے زیادہ تو نہیں بتایا۔ یہی چھ مرحلے یا پیریڈ سائنس کی تحقیق سے بھی ثابت ہوئے ہیں۔

زمین اپنے محور پر ہنڈولے کی طرح گھوم رہی ہے

پارہ ۱۶، سورت ۲۰، آیت ۵۳ میں فرمایا۔ "خدا وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو "مہد" بنا دیا۔" (مہد کے معنی ہیں ننھے بچے کا جھولا یا پنگھوڑا۔ اس ایک ہی لفظ نے ظاہر کر دیا کہ زمین انسانوں کو اپنی گود میں لے کر جھول رہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی جگہ زمین کو قرآن میں "مہاد" فرمایا ہے مہاد کے معنی ہیں گھومنے والی جگہ۔ بس ان تمام الفاظ سے زمین کا اپنے محور پر گھومنا ثابت ہو گیا یعنی ہنڈولے کی طرح گھومتی ہے جس سے رات اور دن بن جاتے ہیں)

زمین سورج کے گرد گھومتی ہے

جس سے سال و ماہ بنتے ہیں پارہ ۲، سورت ۲، آیت ۲۳۳ میں فرمایا کہ اگر مائیں اپنے بچوں کو پوری مدت دودھ پلانا چاہیں تو دو حول پلا سکتی ہیں۔" حول کے معنی سال اور چکر دونوں ہیں۔ گویا بتا دیا کہ زمین

ایک سال میں سورج کے گرد ایک چکر لگا لیتی ہے اور اس حقیقت کو صرف ایک لفظ حَوْل فرما کر ظاہر کر دیا۔

پارہ ۳۰، سورت ۸۴، آیت ۴ میں فرمایا کہ "زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ نکل جائے گا اور وہ خالی رہ جائے گی۔ سو قیامت کے وقت تو یہ ہو ہی جائے گا مگر یہ عمل تو ابھی دن بدن زیادہ ہوتا جا رہا ہے کہ چودہ سو سال پہلے تو تھوڑی مقدار میں سونا چاندی، لوہا، تانبا وغیرہ ہی نکالا جاتا تھا مگر ان چودہ سو سال کے اندر تو ہر قسم کی زیادہ سے زیادہ دھاتوں کے علاوہ تیل، پٹرول، کوئلہ اور ہر قسم کے کیمیکلس اور اپنے مطلب کی ہر چیز کو انسان نکالتا ہی چلا جا رہا ہے۔

پارہ ۱۳، سورت ۱۳، آیت ۴۱ میں فرمایا "زمین چار طرف سے ناقص ہوتی جا رہی ہے۔" زراعت کے لحاظ سے جو نقص آ رہا ہے۔ اس کے لئے طرح طرح کی مصنوعی کھاد پیدا کی جا رہی ہے اور خدا جانے کیا اور کس چیز میں کمی آ رہی ہوگی۔

پارہ ۳۰، سورت ۹۹، آیات ۴۔۵ میں فرمایا کہ "زمین اپنے حالات بیان کرے گی۔ اس لئے کہ اس کو خدا کی طرف سے اس کے متعلق ہدایات

ملیں گی۔" نہ صرف زمین بلکہ تمام اشیاء کے متعلق سائنسدانوں کو بھی یہ کہتے سنا ہے کہ ان میں سے آوازیں نکل رہی ہیں۔

زمین کی گولائی کا تیسرا اشارہ

پارہ ۱۷۔سورت ۲۲۔آیت ۲، میں فرمایا" ہم نے ابراہیمؑ سے کہا کہ لوگوں میں حج کے لئے اعلان کر دے۔ تو لوگ تیرے پاس زمین پر پیدل چل کر بھی آئیں گے اور دُبلے اونٹوں پر اور ہر قسم کے ضامر پر سوار ہو کر آئیں گے بڑی گہری کماندار راہوں کو طے کرتے ہوئے اور جو بھی آئے گا ایسے ہی راستوں سے آئے گا۔"

یعنی گول زمین پر جدھر سے بھی کوئی آئے گا گولائی لئے ہوئے راستہ ہی سے آئے گا۔ فج کے معنی ہیں کمان کی محراب۔ ضامر کے معنی دُبلے اُونٹ اور خوب صورت ہلکی پھلکی سواریاں جیسے کہ موٹریں اور ہوائی جہاز، نیز ضامر اور ضمیر دونوں کے معنی ہیں چھپی چیزیں اور چھپے ہوئے خیالات اور چھپی ہوئی رہنمائی جو انسان کے دل میں قدرت کی طرف سے آتی ہے۔ پس اس لفظ نے اشارہ کر دیا کہ حج کرنے کے لئے جو لوگ آئیں گے وہ ایسی تیز رفتار سواریوں پر آئیں گے جو نزول قرآن کے زمانے میں ظاہر نہیں ہوئی تھیں اور ان میں

خاص کر ہوائی جہاز کا اشارہ ہے کہ راستوں کے کماندار ہونے کے علاوہ اس کی اپنے چڑھاؤ اور اتار کے وقت ایک کمان سی بن جاتی ہے۔

پارہ ۱۴۔ سورت ۱۶۔ آیت ۸ میں تو نئی ایجاد ہونے والی سواریوں کے بارے میں بالکل کھلے طور سے فرما دیا ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے کہ "گھوڑے، گدھے اور خچروں کے علاوہ ہم تمہارے لئے ایسی سواریاں بھی پیدا کریں گے جن کو تم ابھی نہیں جانتے"۔

چنانچہ چودہ سو سال کے عرصہ میں آج تک بہت سی نئی سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں اور آئندہ نہ جانے اور کون کون سی ایجاد ہوں گی۔ قرآن میں تو قیامت تک کی خبریں ہیں۔

سمندری سواریاں

پارہ ۲۳، سورت ۳۶، آیات ۴۱۔ ۴۲ میں فرمایا کہ "لوگوں کے لئے یہ بھی ایک معجزہ ہی ہے کہ ہم نے اُن کو بھاری بھاری انسانوں اور سامان سے بھرے ہوئے تیز رفتار جہازوں میں سوار کرا کر سمندروں میں پھرایا اور ایسی ہی اور چیزیں بھی ان کی سواری کے لئے پیدا کر دیں گے"۔

غالباً یہ ان کشتیوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو پانی میں بھی تیرتی ہیں اور

ہوا میں بھی اُڑ جاتی ہیں۔ نزول قرآن کے زمانے میں بھاری بھاری جہاز نہ تھے صرف بادبانی کشتیاں چلا کرتی تھیں۔ بھاری چالیس چالیس ہزار ٹن وزنی جہاز تو آجکل ہی تیار کیے جاتے ہیں۔

اس زمانے کی سمندری کشتیوں کا نقشہ تو خود قرآن مجید کے پارہ ۱۱۔ سورت ۱۰۔ آیت ۲۲ میں اس طرح ظاہر فرمایا ہے کہ "اللہ تم کو خشکی اور سمندر میں پھراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو تو وہ کشتی موافق ہوا کے ذریعہ چلتی رہتی ہے تو تم خوش ہوتے ہو اور جب مخالف ہوا تیز چل پڑتی ہے اور سمندر میں سب طرف سے موجیں اٹھنے لگتی ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اب مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو اسوقت سچے دل سے اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہماری جانوں کو بچالے تو ہم تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔ اور جب خدا ان کو بچالیتا ہے تو پھر وہ خدا کے باغی بن کر زمین میں ناحق فساد کرتے ہوئے پھرنے لگتے ہیں۔"

اور سب سے بڑھ کر آجکل کے سمندری جہازوں کی پیشین گوئی صاف الفاظ میں پارہ ۲۵، سورت ۴۲۔ آیت ۳۲ میں یوں بیان فرمائی ہے:

"اللہ کی قدرت کے عجائبات میں سے وہ جہاز بھی ہیں جو سمندر میں پہاڑ کی

طرح نظر آتے ہیں۔

۲. دو دریا مل کر چلتے ہیں

پارہ ۲۷، سورت ۵۵، آیات ۱۹-۲۰ میں فرماتے ہیں " دو دریا مل کر اکٹھے چلتے ہیں دونوں کے درمیان ایک پردہ ہوتا ہے اور ان دونوں کا پانی ایک دوسرے پر چڑھائی نہیں کرتا"۔ (راقم الحروف نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دریائے گنگا اور جمنا کے سنگم یعنی مقام اتصال پر دیکھا ہے یہ سنگم (ملاپ) الٰہ آباد یوپی کے مشہور شہر پر ہوتا ہے۔ دونوں دریا یہاں سے اکٹھے ہو کر سینکڑوں میل تک اکٹھے بہتے ہوئے چلے گئے ہیں۔ گنگا کا پانی ذرا نیلگوں سا ہے اور جمنا کا سفید زردی مائل۔ دونوں کے درمیان ایک کانچ کی سی آڑ نظر آتی ہے۔ پورے راستے دونوں کا پانی الگ الگ نظر آتا ہے۔)

دوسری مثال

پارہ ۱۹، سورت ۲۵، آیت ۵۳ میں فرمایا "خدا وہ ہے کہ جس نے دو دریاؤں کو اکٹھا کر کے چلایا ہے ان میں سے ایک دریا کا پانی خوشگوار میٹھا ہے دوسرے کا کھاری کڑوا۔ ان دونوں کے درمیان بھی ایک آڑ ہے، کیا مجال جو ایک کا پانی دوسرے میں چلا جائے۔ یہ تمہارے خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے"

اس آیت کے متعلق کتاب "علم جدید کا چیلنج" مصنفہ وحید الدین خاں (رفیق) مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ اشاعت دسمبر ۱۹۶۵ء کے صفحہ ۲۱۹ پر لکھا ہے کہ "چاٹگام (مشرقی پاکستان) سے لے کر اراکان" (برما) تک دو دریا مل کر بہتے چلے جاتے ہیں اور اس سینکڑوں میل کے طویل سفر میں دونوں کا پانی بالکل الگ الگ نظر آتا ہے۔ دونوں پانیوں کے درمیان ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے۔ دھاری کے ایک طرف کا پانی میٹھا اور دوسری طرف کا کھاری ہے۔"

غور طلب بات

یہاں پر یہ ہے کہ قرآن پاک کی یہ دونوں خبریں شہر مکہ سے ہزارہا میل دور کی ہیں۔ اوّل تو گنگا، جمنا ہی مکہ سے کچھ کم دُور نہیں ہیں، پھر چاٹگام اور برما کی مکہ سے دوری کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

یہ قرآن مجید کا معجزہ ہے ورنہ آج سے چودہ سو سال پہلے تو وہ زمانہ تھا کہ سو دو سو میل کے حالات سے بھی انسان بمشکل ہی واقف ہو سکتا تھا البتہ یہ سب مقامات پیدا کرنے والے کے علم میں تھے۔ اس لئے ان کا ذکر قرآن میں فرما دیا کہ جو لوگ ان مقامات سے واقف ہوں گے اور وہ ان آیات

کی جس وقت تصدیق کریں گے تو اس وقت لوگوں کو قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان اور یقین آجائے گا اور یوں قرآن کی آیات بطور معجزہ لوگوں پر ظاہر ہوتی چلی جائیں گی۔

کائنات کی مزید خبریں

اور شروع کا حال پارہ ۲۴۔ سورت ۴۱۔ آیات ۱۱-۱۲ میں فرمایا "اور خدا نے آسمان بنانے کی طرف توجہ کی تو وہ دھویں اور گیس کی شکل میں ہو گیا تو (اس گیس سے) دو وقفوں میں سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اپنے احکام جاری کر دئے اور سب سے نیچے کے آسمان میں ستارے بنا دئے اور انہی میں سے شہاب ثاقب بھی بن گئے۔"

یہ تو چودہ سو سال پہلے کی قرآنی خبریں ہیں۔ مگر آج سائنس داں محقق بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کائنات میں سب سے پہلے گیس پیدا ہوئی اور اس گیس میں جابجا چکر یا بھنور پڑنے لگے اور وہ چکر گھومتے گھومتے آپس کی رگڑ سے آگ کے دائرے اور گولے بن گئے۔ انہی کا نام ستارے ہے اور ستاروں کی ٹوٹ پھوٹ سے شہاب ثاقب بن گئے اور یہ کام دو وقفوں یا دو پیریڈز میں ہو گیا۔ دو وقفوں کے بجائے اللہ تعالےٰ نے دو دن فرما

دیا پھر پارہ ۲۹، سورت ۶۷، آیات ۳-۴-۵ میں فرمادیا "خدا وہ ہے کہ جس نے ایک کے اوپر ایک سات آسمان بنائے! اے دیکھنے والے تجھ کو خدا کی کاریگری میں کیا کوئی نقص نظر آیا؟ پھر دیکھ اور اچھی طرح سے دیکھ جتنی مرتبہ دیکھے گا اتنی ہی مرتبہ تیری دیکھنے کی طاقت حیران ہوکر واپس لوٹ آئے گی اور وہ بہت تھکی ہوئی ہوگی اور یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے سب سے نیچے کا آسمان ہے۔"

اللہ تعالےٰ نے جو بار بار دیکھنے کو فرمایا تو اسی شوق میں مسلمانوں نے دُوربین ایجاد کی اور کرتے ہی چلے گئے مگر آسمانی عجائبات کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آیا اور اب یورپ اور امریکہ کے سائنسدانوں نے اور بھی زیادہ طاقتور دُوربینیں ایجاد کیں۔ رصدگاہیں بناڈالیں جنمیں ہر وقت کوئی نہ کوئی بیٹھا ہوا آسمانی عجائبات کا جائزہ لیتا ہی رہتا ہے۔ ایک تھک جاتا ہے تو دوسرا۔ مگر ستاروں کی تعداد اور اقسام اور دیگر حالات کا آج تک صحیح اندازہ نہ لگ سکا پارہ ۲۷، سورت ۵۱۔ آیت ۴۷ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "ہم نے آسمان کو خاص حکمت اور کاریگری سے بنایا اور اس کو پھیلاتے جارہے ہیں۔" آج سائنس داں بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ جو ستارے ہم کو آنکھ یا دُوربین سے

نظر آرہے ہیں یہ کہکشاں سے نکلے ہیں اور دُور دُور پھیلتے جارہے ہیں اور یوں آسمان وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔

سُورج کے متعلق آج سے تقریباً ایک صدی پہلے تک یہ معاملہ زیر بحث رہا کہ آیا سُورج ساکن ہے یا متحرک۔ قرآن نے چودہ سو سال پیشتر پارہ ۲۳، سورت ۳۶ - آیت ۳۸ میں فرمادیا تھا کہ "سورج بھی اپنے مرکز کے گرد گھومتا چلا جارہا ہے۔ کیونکہ اس زبردست علم والے خدا نے ہر چیز کے لئے یہی قانون مقرر کر دیا ہے"۔

پارہ ۲۳، سورت ۳۶ - آیت ۴۰ میں فرمایا کہ "نہ تو سورج چاند کو کھینچ سکتا ہے نہ زمین کے رات دن میں ادل بدل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں"۔

مطلب یہ کہ سورج اتنا بڑا ہے مگر اس کی مجال نہیں کہ چاند کو اپنی طرف کھینچ سکے اور نہ زمین ہی اپنی محوری گردش کو بدل سکتی ہے کہ جس سے دن کے اوپر رات سبقت لے جائے حالانکہ یہ سب ساتھ ساتھ تیر رہے ہیں۔ یہاں پر لفظ "یسبحون" آیا ہے جس کے معنی پانی یا ہوا میں تیرنا ہیں۔ آج کے سائنسداں علم ہیئت کے راز اس سے زیادہ نہیں بتا سکے۔

ایک دِن یہ کائنات ختم کر دی جائے گی

پارہ ۱۷۔سورت ۲۱۔آیات ۱۰۴ میں فرماتے ہیں کہ "ایک دن ایسا بھی آئے گا جب اس پھیلائے ہوئے آسمان کو ہم کاغذوں کے پلندے کی طرح لپیٹ دیں گے اور جس طرح اس کائنات کو اول شروع کیا تھا اسی طرح دوبارہ پھر شروع کر دیں گے۔یہ ہمارا وعدہ ہے۔ہم ایسا ضرور کریں گے"۔(اور یہی سائنسدانوں کا خیال ہے)

مطلب یہ ہوا کہ تمام کائنات پھر گیس بن جائے گی اور دوبارہ پھر پہلی سی طرح شروع کر دی جائے گی۔گویا ازل سے لے کر ابد تک کے تمام حالات قرآن پاک کے ذریعہ بتائے جا رہے ہیں۔

انسانوں کے بولے ہوئے الفاظ

سائنس کی تحقیق ہے کہ انسان کے منہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں ان کو فوراً ہوا اڑا لے جاتی ہے اور وہ آوازیں پوری زمین پر گھوم کر ایتھر کے ذریعہ اوپر چڑھنا شروع کر دیتی ہیں اور نہ معلوم یہ آوازیں کب تک چڑھتی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ٹھہرتی ہیں؟ دیکھئے قرآن نے اس حقیقت کو آج سے چودہ سو سال پیشتر کس طرح بیان کیا ہے۔

پارہ ۲۶۔ سورت ۵۰۔ آیات ۱۷۔ ۱۸ میں فرمایا۔ "انسان کے منہ سے جو لفظ بھی نکلتا ہے اس کو قابو میں کرنے کے لئے نگرانی کرنیوالے سب طرف تیار رہتے ہیں۔"

پارہ ۱۶۔ سورت ۱۹ آیات ۷۹۔ ۸۰ میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "انسان جو کچھ بولتا ہے وہ ہمارے قبضے میں آجاتا ہے اور لکھا جاتا ہے۔"
پارہ ۲۲۔ سورت ۳۵۔ آیت ۱۰ میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "جتنے اچھے الفاظ اور اچھے عمل ہیں وہ سب اوپر چڑھ کر ہمارے پاس پہنچ جاتے ہیں"
ایک اور عجیب انکشاف فرمایا۔ پارہ ۱۵۔ سورت ۱۷۔ آیات ۱۳۔ ۱۴

میں فرماتے ہیں "ہر انسان کے اعمالنامے یا طائر کو اس کی گردن پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔ جس دن وہ خدا کے حضور حاضر ہوگا تو اس اعمال نامے کو کھول کر کہا جائے گا کہ آج تو اپنے اعمال کو دیکھ کر خود فیصلہ کر دے کہ تیرے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔" (جب انسان کے ذرا سے بھیجے میں یہ کچھ جمع رہتا ہے تو گردن میں بھی تمام اعمال لپیٹے جا سکتے ہوں گے)

یہاں پر انسان کے اعمال کو طائر کا نام دیا ہے۔ ظاہر یہ کیا ہے کہ جو افعال انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں وہ اس کے قابو سے نکل کر اڑ جاتے ہیں

یا ان کا عکس ایتھر میں چلا جاتا ہے یا انسان کے اعمال کی فلم اتر کر اس کی گردن میں لپٹتی جاتی ہے۔

پھر پارہ ۲۹۔ سورت ۷۰۔ آیت ۴ میں فرمایا "روحیں اور فرشتے ہر چیز کو لے کر پچاس ہزار سال تک آسمان پر چڑھتے رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالٰے کا ایک دن ہے۔"

آیات مذکورہ بالا میں اللہ تعالٰے نے نہ صرف سائنسدانوں کی تحقیقات کی تائید کی بلکہ بتا دیا کہ انسانوں کی آوازیں سمجھ لو کہ پچاس ہزار سال تک چڑھتی جاتی ہیں۔ پھر اوپر جا کر لکھی جاتی ہیں۔ آج سائنس داں بھی تو کہتے ہیں کہ کسی دن ایسی ترکیب کی جا سکے گی کہ ہزاروں برس پہلے کی آوازوں کو دنیا والے سن سکیں گے اور اس کا چھوٹا سا نمونہ تو تیار ہو گیا ہے یعنی ٹیپ ریکارڈر آوازوں کو محفوظ کر لیتا ہے۔ غالباً آئندہ کوئی ایسی چیز ایجاد ہو جائے گی کہ جو آسمان پر چڑھتی ہوئی آوازوں کو واپس زمین پر کھینچ لایا کرے گی۔

بجلی کی روشنی

جس زمانے میں لکڑیاں جلا کر یا مٹی کے دیئے میں تیل بتی ڈال کر

دھندلی سی روشنی کا پیدا کر لینا ہی کمال سمجھا جاتا تھا اس زمانے میں بجلی کی سی روشنی کا ایسا نقشہ اشاروں کے ذریعہ کھینچ کر بتایا ہے کہ حیرت ہوتی ہے

پارہ ۱۸۔ سورت ۲۴۔ آیت ۳۵ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

" اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ اس کے ایک نور کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شمعدان ہے۔ اس کے اوپر لیمپ رکھا ہوا ہے۔ اس لیمپ یا بلب پر ایک قندیل یا گلوب ہے اور وہ گلوب اس قدر چمک رہا ہے جیسے جگمگاتا ہوا ستارہ۔ نور کے اُوپر نور ہے اور یہ نور روشن ہوتا ہے شجر زیتون سے۔ یہ روشنی نہ شرقی ہے نہ غربی۔ اس کا مادہ آگ دکھلائے بغیر روشن ہو جاتا ہے اور ہر وقت روشن ہونے کو تیار رہتا ہے اور اللہ نے یہ سب کچھ مثالیں دے کر سمجھایا ہے ورنہ اللہ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔"

اس آیت میں جو لفظ شجر ہے اس کے معنی ہیں متضاد چیزیں جو بجلی کی مثبت و منفی تاروں کا اشارہ ہے۔ زیتون جس کے تیل میں روشنی کا مادہ ہے۔ یہ روشنی شرقی غربی نہیں یعنی سورج کی طرح اس کے طلوع و غروب میں دیر نہیں لگتی۔ آناً فاناً ہی روشن ہو جاتی ہے اور ہر دم روشن ہونے کو تیار رہتی ہے اور آیت کے آخری الفاظ میں یہ فرمادیا کہ ہم نے اس روشنی کی

یہ ایک مثال دی ہے ورنہ ہم کو تو معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے "۔

ایک عجیب مطابقت

اللہ تعالےٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ "ہم جب کسی کام کو کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ کُن پس وہ فوراً ہو جاتا ہے"۔ اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ یا نائب بنایا اور یہ قاعدہ ہے کہ حاکم کی مرضی سے نائب بھی اسی کام کے کرنے کا مجاز ہوتا ہے کہ جو کام حاکم کرے۔

لہٰذا خوشی کی بات یہ ہے کہ انسان نے اپنے درجے کی لاج رکھتے ہوئے ایسی چیز ایجاد کر لی کہ جو لفظ کُن کی ہم وزن ہے یعنی بجلی کے سوئچ کو جب آن کیا جاتا ہے تو لفظ کُن کی ہم آواز "کُٹ" پیدا ہوتی ہے اور جیسے ہی "بجلی گھر" کے مین سوئچ سے یہ آواز نکلی کہ تمام شہر کا ماحول روشنی سے جگمگانے لگتا ہے اور اگر کسی کارخانے کی مین سوئچ سے یہی آواز پیدا کر دو تو اس کارخانے کے تمام انجن اور مشینیں دھائیں دھائیں چل کر اندر ہی اندر ہزاروں کام کر دیتی ہیں، شاعر مشرقؒ کے اس شعر کے مصداق ؎

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
تو خاک آفریدی ایاغ آفریدم

مطلب یہ کہ تو نے اندھیری رات پیدا کی تھی میں نے اس کو روشن کرنے کے لئے چراغ پیدا کر لیا اور تو نے مٹی پیدا کی تھی تو میں نے اس سے صراحی اور جام بنا لیا (اس لئے کہ خدا کا خلیفہ ہے)

اتنا ہی نہیں اللہ تعالےٰ نے تو یہاں تک فرما دیا پارہ ۱۳، سورت ۱۴۔ آیات ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ میں فرمایا "جس طرح اللہ نے تمہارے لئے دریا اور جہازوں کو مسخر کر دیا۔ اسی طرح سورج اور چاند کو بھی مسخر کر دیا ہے۔ نیز زمین کے رات اور دن کو بھی تمہارے اختیار میں دے دیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ تم چاہو گے وہ سب تم کو مل جائے گا اور اتنا کچھ ملے گا کہ تم گن نہ سکو گے مگر افسوس کہ اس کے باوجود بھی انسان اپنے خدا کا شکر گزار اور فرماں بردار نہیں ہے۔"

اللہ تعالےٰ کی کس کس عنایت پر غور کریں اور جس جس طریق سے قرآن پاک میں ان کو بیان فرمایا۔ پھر اپنی نافرمانیوں اور ناشکر گزاریوں کا خیال کرنے سے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ جب خدا کے حضور میں حاضر ہوں گے تو کیا جواب

دیں گے اور اس کے حضور میں حاضری کی کوئی تاریخ مقرر نہیں کہ تیاری کر کے چلے جائیں گے۔ علوم و سائنس کی اس قدر ترقی کے باوصف بھی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ کی طرف سے بلاوا کب، کس جگہ اور کس حال میں آجائیگا اور جیسے ہی روح تن سے نکلے گی حاضری فوراً ہی (قرآن و حدیث کی رُو سے) دینی پڑے گی۔ بصیرت کی آنکھیں کھول کر دیکھا جائے تو وہ گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ اللہ تعالٰے ہماری غفلتوں کو دُور فرمائے، آمین۔

آمدم بر سر مطلب۔ مذکورہ بالا بابرکت آیت سے تو واضح ہو رہا ہے کہ جس طرح انسان دریا، سمندر، کشتی اور جہازوں کو دن رات بے تکلف استعمال کر رہے ہیں اسی طرح چاند سورج سیاروں میں بھی تصرف کر سکیں گے چنانچہ ان باتوں کی ابتدا تو ہو ہی چکی ہے۔ آج چاند سیاروں میں جانے کی مشقیں کی جا رہی ہیں کل ان میں بھی اسی طرح بھاگے دوڑے پھریں گے۔ جیسے کہ سمندروں میں، اور کشتیوں جہازوں کے سے کام راکٹوں سے لیا کریں گے۔ سورج تو ہر طرح سے خادم بنتا ہی جا رہا ہے۔ وہ دن گئے جب اس کو سب سے بڑا دیوتا مان کر اس کے آگے سجدے کئے جاتے تھے جب قرآن نے ہر شے پر انسان کی برتری ثابت فرما دی اور کل کائنات

کو اس کا فرماں بردار بنا دیا تو قرآن کے سمجھنے والوں نے اپنی کرسی لینے کی ٹھان لی جس کے نتیجے میں آج یہ سب کچھ دیکھنے میں آرہا ہے کہ سورج بھی انسان کے آگے پانی بھرنے لگا۔ اب تو خانساماں گری کے تمام کام اسی سے کرائے جائیں گے۔ بھاڑ اور بھٹیوں کا تو کیا ذکر اب تو زمانے بھر کی فیکٹریوں کو سورج ہی سے چلوایا جائے گا۔ ایسا کہ کسی دن بجلی اور گیس سب بے کار ہو کر رہ جائیں گے۔

(اب کچھ انبیا علیہم السلام کے معجزوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ کہ ان میں کیا کیا اشارے ہیں)

معجزات انبیاء علیہم السلام

قرآن مجید کے پارہ اوّل سورت ۲، آیات ۳۰ تا ۳۴ میں اللہ تعالےٰ نے بہت وضاحت سے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہم نے آدم کو زمین پر اپنا نائب یا خلیفہ بنا کر پیدا کیا ہے اور علم و حکمت کا وہ خزانہ اس کو عطا کیا ہے کہ فرشتے اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور خدا کے حکم سے سب کے سب فرشتے آدم کے سامنے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔"

وہ جو پارہ ۱۳۔ سورت ۱۴ آیات ۳۲ تا ۳۴ میں فرمایا جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ ”ہم نے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں تم انسانوں کے اختیار میں دے دی ہیں (ان میں سے تم جو کچھ چاہو وہ لے سکتے ہو) اور یہ کہ اللہ نے جو جو نعمتیں تمہارے لئے پیدا کی ہیں تم ان کو گن نہ سکو گے“۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اولادِ آدم کو اپنے درجے کی یہ بلندی کبھی بھی معلوم نہ ہو سکتی اگر اللہ تعالےٰ اپنی رحمت کاملہ سے انبیائے کرام کو دنیا میں لگاتار بھیج کر یہ حقائق نہ بتلاتے رہتے خصوصاً قرآن کے ذریعہ جو کچھ بتایا

انبیاء علیہم السلام نے شفیق استادوں کی طرح انسانوں کو بحکم خدا ہر وہ طریقہ سکھا دیا کہ جس سے انسان اپنے ربّ کے عطا کردہ انعامات کو حاصل کر کے دونوں جہان میں اپنے رتبے کی بلندی کو پا سکیں اور ان تمام کاموں کو انجام دے سکیں کہ جن کے لئے ان کے خدا نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔

انبیاءؑ نے نہ صرف انسانوں کو روحانی اور جسمانی ترقیات کے حصول کے طریقے ہی سکھائے بلکہ بحکمِ خدا وہ سب کام اول خود کر کے انسانوں کو دکھا دیتے اور اپنا نمونہ ان کے لئے قائم کر دیا۔

چنانچہ اسی لئے پارہ ۲۸ - سورت ۶۰ - آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ

نے فرمایا "ہمارے ابراہیمؑ نبی اور ان کے ساتھی دوسرے انبیاؑ کی شخصیتوں میں تم لوگوں کے لیئے بہت اچھے نمونے ہیں"۔ (یعنی جو کچھ اُس نے کر کے دکھایا تم بھی وہی کرو)

پھر حضور خاتم النبین صلعم کے لیئے پارہ ۲۱، سورت ۳۳۔ آیت ۲۱ میں فرمایا مفہوم اس کا یہ ہے کہ "اس رسولؐ کی ہستی میں تم سب کے لیئے بہت اچھا نمونہ ہے مگر وہی شخص ان کے نمونے پر چلے گا جس کو اللہ سے یہ امید ہو کہ اس کی کوششوں کی آخرت میں قدر کی جائے گی اور جو شخص اللہ اور اس کی مہربانیوں کو یاد رکھے گا"۔

پارہ ۱۳۔ سورت ۱۴۔ آیت ۱۱ میں فرمایا "تمام انبیاؑ نے اولادِ آدم سے یہی کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے ہی بشر ہیں"۔ (یعنی فرشتے یا کوئی اور جنس نہیں ہیں کہ جن کے نمونوں کی تم نقل نہ کر سکو)۔

اور جب آخر میں حضور خاتم النبین صلعم تشریف لائے تو انؐ سے بھی اللہ تعالےٰ نے پارہ ۱۶۔ سورت ۱۸۔ آیت ۱۱۰ میں یہی کہلوایا "تو کہدے کہ میں بھی تمہارے جیسا ہی بشر ہوں۔ مجھ میں اور تم لوگوں میں فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالےٰ کی وحی نازل ہوتی ہے تاکہ میں تم کو بتاؤں کہ تمہارا

رب صرف وہی اکیلا اللہ ہے پس جو کوئی یہ امید رکھتا ہو کہ ایک دن اس خدا سے ملاقات ہوگی۔ تو اس شخص کو چاہیئے کہ اپنے خدا کی مرضی کے مطابق اچھے کام کرے (جیسے نمونے کے کام لوگوں کو انبیاءؑ نے کر کے دکھائے) اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔" (یعنی اس کے حکم کے مقابلے میں اور کسی کا حکم نہ مانے حتیٰ کہ اپنے دل کا بھی)

اس آیت میں بڑی باریکی بیان فرمادی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاءؑ نے جس جس کام کا نمونہ تم انسانوں کو دکھایا، تم وہ سب کچھ کر سکتے ہو سوائے اس کے کہ انبیا پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو وحی نازل ہوتی ہے، وہ غیر انبیاءؑ پر نہیں ہو سکتی۔

بادی النظر میں تو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ اُمتیں اپنے اپنے انبیاءؑ کے سے کام کر کے دکھائیں۔

انبیاءؑ نے تو دنیا کو طرح طرح کے معجزے بھی دکھاتے تھے۔ امتوں سے یہ کیسے بن پڑے گا؟ بہر حال کچھ بھی ہو مگر اللہ تعالےٰ کی اس آیت سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

دُور کیوں جائیں آج سائنسداں جو جو ایجادات کر رہے ہیں۔ کیا عام لوگوں

کو وہ معجزوں سے کچھ کم نظر آتی ہیں ؟

بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ جس جس برگزیدہ نبیؑ نے جو جو معجزے دکھائے تھے، ان کی امتیں آج بحکم خدا اسی مشابہت کی ایجادیں کرتی چلی جارہی ہیں جن کا مفصل بیان آگے آئے گا اور اس سنسنی خیز بیان میں سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب یعنی قرآن ہی کا زبردست معجزہ نظر آئے گا کہ اس میں کس حیرت انگیز طریقے سے موجودہ زمانے کی ایجادات کے ہو بہو اشارے انبیاءؑ کے معجزات کے ذریعہ بیان کر دئے ہیں کہ ان پر غور کرنے والا ایک ایک مثال کا موازنہ اور مطابقت کر کے فرط حیرت سے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے لیکن سابق انبیائے کرام کے معجزات تو گزشتہ زمانے کے لوگوں نے وقتی طور پر دیکھ ہی لئے ہوں گے مگر قرآن پاک نے اس حیرت انگیز طریقے اور ایسے عجیب الفاظ کے ذریعہ ان کا نقشہ کھینچا ہے کہ گویا یہ سابقہ معجزے نہیں بلکہ صاف طور سے موجودہ زمانے کی ایجادات کی پیشینگوئیاں معلوم ہو رہی ہیں ۔

اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس طرح سے قرآن پر غور کرتے والوں کو قرآن کی صداقت کی گواہی ملتی رہے اور یوں اولادِ آدم کا سینہ قیامت

تک قرآن کے ذریعہ نورِ ایمان کی روشنی حاصل کرتا رہے۔

اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ کے ایمان کا نور قرآن اور صرف قرآن سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک دنیا جانتی ہے کہ جب تک قرآن نازل نہ ہوا تھا اس وقت تک دنیا میں اندھیرے کے سوائے کچھ نہ تھا۔ اگرچہ اس سے قبل دنیا میں ہزارہا انبیائے کرام بھیجے جا چکے تھے مگر ان کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر کے دنیا والوں نے اپنی من مانی اندھیر گردی مچا رکھی تھی۔

قرآن کے نازل ہو جانے اور اس کو سمجھ لینے کے بعد مسلمانوں نے گنتی کے چند ہی برسوں میں انسانی زندگی کے وہ وہ حیرت انگیز نمونے پیش کئے کہ آج تک چشمِ فلک نے نہ ایسے دیکھے نہ غالباً دیکھ سکے گی۔ شروع زمانۂ خلافت کے، صرف چودہ برسوں میں دنیا کو وہ کچھ دکھایا کہ چودہ سو سال میں بھی وہ کچھ نظر نہ آسکا جس کی تاریخ شاہد ہے۔

ہر قسم کی دنیاوی تنگی اور بدحالی کے باوجود قرآن حکیم نے ان لوگوں کو ایسا مجیر العقول کمال عطا کر دیا تھا کہ جس نے ان پر نہ صرف دنیا ہی میں ہر قسم کی ترقی کے دروازے کھول دئے تھے بلکہ ان کی روحانیت بھی

عالم عقبیٰ کی پوری حقدار بن گئی تھی ۔ بخلاف اس کے جب سے مسلمانوں نے قرآن کی اس جگمگاتی شمعِ ہدایت کو پردوں اور غلافوں کے پیچھے چھپا کر رکھ دیا ہے جس سے قرآن کا ہونا نہ ہونا (خدانخواستہ) برابر ہو گیا ہے تو پھر دنیا میں وہی زمانۂ جاہلیت کا سا اندھیرا چھا گیا جس کی وجہ سے دنیا والوں کو اپنی عارضی روشنیوں سے کام لینا پڑا اگر وہی بات کہ :

چراغ مردہ کجا ! شمعِ آفتاب کجا

مصنوعی روشنیوں کی ظاہری چکا چوند سے نظر بچا کر جو اصل ماحول کا جائزہ لینا چاہو تو اندھیرے گڑھوں میں گری ہوئی سسکتی نیم جان لاشوں کی آہ و بکا اور دلوں سے نکلے ہوئے دھوئیں کے سیاہ غبار سے آگے اور کچھ نظر ہی نہ آئے گا ۔ کیونکہ یہ مصنوعی روشنی ہے جو چند قدم بھی انسانیت کی رہبری نہیں کر سکتی اور وہ زندگی کی دوڑ میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھلاتی ہوئی آخر قعرِ مذلت میں جا گراتی ہے

کون ہے کہ جو دنیا والوں کو پائدار روشنی والی ٹارچوں کے خزانہ کی خبر دے کہ جو ایک اشارے میں ماحول کو روشن کرنے کیلئے تیار ہیں ۔ جب کہ خود اس خزانے کے خزانچیوں کو بھی عام طور سے اس سے فائدہ اٹھانے کا احساس

نہیں ہیں پھر انہیں کسی اور کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ چاہیئے تو یہی تھا کہ ہر نبیؑ کے بعد ہی ان کی امتیں ان کی تعلیم اور نمونوں کے طفیل سے یہ سب ایجادیں کر کے دکھا دیتیں جو ان کو آج کرنی پڑ رہی ہیں ۔ مگر غفلت اور بے حسی نے کچھ کرنے نہ دیا ۔ لیکن اللہ تعالےٰ کو تو یہ منظور نہ تھا کہ اولادِ آدم جو خدا کی سب سے بلند مرتبہ اور بہترین مخلوق ہے وہ یوں بدترین خلائق بن کر رہ جائے کہ جس سے اس کے دنیا میں پیدا ہونے کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو ۔

قرآن مجید کے پارہ ۱۸ ۔ سورت ۲۳ ۔ آیت ۱۱۵ میں جو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے "کیا تم انسان خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار رہنے اور فضول کام کرنے کو پیدا کیا ہے ؟ اور تم ہماری منشا و مرضی کی طرف لوٹ کر نہ آؤ گے ۔" (مطلب یہ کہ تم کو ہماری مرضی کے کام کرنے پڑیں گے ۔)

اسی مضمون کو پارہ ۲۴ سورت ۴۱ ۔ آیت ۱۱ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے زمین اور آسمان کو پیدا کر کے دونوں سے پوچھا کہ کیا تم ہمارے احکامات کو خوشی سے مانو گے یا ہم زبردستی سے منوائیں ؟ تو

دونوں نے جواب دیا کہ یا اللہ ہم اپنی رضا و رغبت سے تیری تابعداری کریں گے۔" (مطلب یہ کہ کائنات کی ہر شے مالک کے احکام کی تابعداری کر رہی ہے سوائے انسان کے)

لیکن آخر کہاں تک ؟ پارہ ۲۸ ۔سورت ۶۱ - آیت ۸ میں فرمایا: "اللہ اپنے نور کی تجلیات کو پوری طرح سے دکھا کر ہی رہے گا۔ خواہ منکرین اور کافروں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔" (یعنی جس طرح فرشتوں کے ذریعے سے تمام خفیہ کام کراتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح اپنی قدرت کے ظاہر کرشمے انسانوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کو دکھانے منظور ہیں اس لیے کہ انسان کا درجہ فرشتوں سے افضل ہے۔)

تمام انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو جو کچھ سکھا کر یا اپنا نمونہ دکھا کر تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت عام طور سے ان کی امتوں نے اس کی کچھ پیروی نہیں کی، ورنہ دنیا والوں کو اس کے متعلق کوئی ثبوت تو ملتا۔ البتہ حضور خاتم النبیین صلعم کے چند صحابہ کبار رضؓ کا کچھ حال کتب سیر و تواریخ سے ملتا ہے کہ ان بزرگوں نے فیض رسالت مآب صؐ سے بہت کچھ روحانی شرف حاصل کر لیا تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ہوتا رہا

مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا یہی ایک مشہور واقعہ کہ جس میں سینکڑوں میل دُور سے لشکرِ اسلام کی پوزیشن ان کو نظر آگئی تھی اور انھوں نے بلند آواز سے "یا ساریۃ الجبل" کہا اور ادھر جن صحابی کو آواز دی تھی انھوں نے حضرت عمرؓ کی آواز کو سن کر فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی اور یوں لشکرِ اسلام کی شکست فتح وظفر سے بدل گئی ——— اور اس کی بھی

تاریخ شاہد ہے

کہ قرآنی علوم سے فیض حاصل کرنے والے مسلمانوں نے آج سے تقریباً آٹھ نو سو سال پیشتر "بغداد" اور "سپین" میں موجودہ سائنسی علوم کی بنیادیں بھی رکھدی تھیں - ان عالی دماغ مسلمان محققوں کی سینہ کاوی اور دماغ سوزی نے مشرق و مغرب میں علمی تحقیقات اور سائنسی معلومات کے خزانے، بے شمار لائبریریوں اور ہزاروں کتب خانوں کی شکل میں جمع کر دئے تھے اور کرتے جا رہے تھے کہ نسلِ انسانی کی انتہائی بدقسمتی سے شیطان کی ابھاری ہوئی چنگیزی طاقتوں نے دونوں ہی برِّ اعظموں (یورپ اور ایشیا) میں عرب سائنسدان عالموں کی بے مثال ہستیوں کے ساتھ ساتھ ان کے علمی ذخیروں کو بھی جلا کر خاک کر دیا

المختصر ان علمی کتابوں میں سے بچے کھچے کچھ اوراق یا کوئی آدھ جلی کتاب ان کے کسی خوش نصیب شاگرد کو مل گئی تھی۔ تو یہ حقیقت ہے کہ ان ہی منتشر اوراق کے فارمولوں پر آج کل کی سائنس کی بنیاد قائم کی گئی ہے اور یہ دعوے فرضی اور بے بنیاد نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے منصف مزاج محققوں نے بارہا اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے جس کا ایک حوالہ آئندہ صفحات میں بھی دیا جائے گا۔

علم و فضل کے اس زریں دَور کے ختم کر دیئے جانے کے بعد اسلامی دنیا پر ایک جمود طاری ہو گیا جس کی وجہ سے یہ سب حقیقتیں نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گیئں۔ بقول ؎

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی !!

لیکن اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور ہے کہ انسان خلیفۂ خدا کی حیثیت سے کچھ تو اپنے رُتبے کا حق ادا کرے۔ روحانی طور سے نہ سہی عقلی ہی سہی۔ استاد نہیں تو شاگرد ہی سہی کوئی تو کچھ کر کے دکھاتے۔

بغداد کے لہلہاتے علمی باغوں کو ایک ٹیری قوم کی آتش چنگیزی نے

اس لیے جلا کر خاکستر کر دیا کہ اس قوم کو سوائے چنگیزی کے علوم وفنون کی کوئی قدر نہ تھی لیکن سپین (یورپ) میں جہاں تمام مقامی لوگوں کے سامنے عرب سائنسداں علما دن رات علوم و فنون اور تسخیر کائنات کی تدبیروں میں مشغول رہتے تھے اور نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے ذی ہوش مقامی سفید فام شاگردوں کے لئے انھوں نے ہزاروں درسگاہیں اور کتبخانے قائم کئے اور اِس قوم کو ہر قسم کے علوم و فنون کا ماہر بنانے میں ہمہ تن مصروف تھے ۔ کون نہیں جانتا کہ تقریباً ہزار سال پیشتر اہلِ یورپ ان علوم و فنون سے واقف نہ تھے مسلمانوں ہی نے سات سو سال تک سپین میں برسرِ اقتدار رہ کر ہر قسم کے علوم سے سب کو روشناس کرایا تھا لیکن ہوا تو کیا ہوا ؟ یہ کہ اسی قوم نے محسن کشی کا انتہائی مظاہرہ کرتے ہوئے انہی استادوں کو تہِ تیغ اور ان کی لائبریریوں اور تجربہ گاہوں کو نذرِ آتش کر دیا یہ کوئی الزام تراشی نہیں بلکہ ناقابلِ تردید تاریخی المیہ ہے جس کا اعتراف کرنے پر خود یورپ کے حق پسند اصحاب مجبور ہو گئے ہیں ۔

چنانچہ زیرِ نظر اوراق میں حق شناس طبائع پر یہ امر منکشف کرنا مقصود ہے کہ ان دونوں خونچکاں تاریخی سانحات کے بعد اگرچہ اسلامی ترقیات

کے دھارے تنزل بلکہ تباہی کے رُخ مڑ گئے۔ لیکن منتقمِ حقیقی کی طرف سے ظالم قوموں کو بھی عبرتناک سزائیں مل گیئں۔ وہ یہ کہ اس چنگیزی قوم کا تو وہ اصل وجود ہی ختم ہو کر رہ گیا کہ جو مشرکانہ اور بت پرستانہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آگے چل کر وہی قوم اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی اور زخم خوردہ مسلمانوں نے یہ کہہ کر آنسو پونچھ ڈالے کہ: ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

اب رہ گیا یورپین شاگردوں کی قوم کا انجام۔ سو اسکی تاریخ ذرا دیر سے مرتب ہو رہی ہے اور یہ مشاہدے میں آنے لگا ہے کہ ان کو جو سزا مل رہی ہے وہ دیکھنے والوں کیلئے عبرتناک ہونے کے ساتھ انتہائی دلچسپ بھی ہے۔ وہ یہ کہ یورپ کے شہید ستم مسلمان استادوں کی تشنۂ تکمیل سائنسی ایجادات کی آرزوؤں کو قدرت نے ان کے سفید فام شاگردوں کی قوم کے دلوں کی گہرائیوں میں کچھ اس طرح پیوست کر دیا ہے کہ سائنسی تجربات کے بغیر انھیں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو آرام۔ تاکہ اس نظریہ کی تکمیل ہو سکے کہ اگر "پدر نتواند پسر تمام کند" اور اس طرح مشیت کے مقرر کردہ کام کسی نہ کسی طرح پورے ہوں۔ چنانچہ اسی لئے یہ شاگرد رات دن

کھڑے بیٹھے اسی دھن میں غلطاں وپیچاں رہتے ہیں۔

نہ انھیں جان کی پرواہ نہ مال کی۔ سائنس کی مشقوں میں کھربوں روپیہ اور بہتیری قیمتی جانوں کو بے دھڑک تجربات کے لئے جھونکتے چلے جا رہے ہیں، مگر اطمینان پھر بھی نصیب نہیں۔ جن مرحلوں کو ان کے مومن آشنا د امن کے ماحول میں اطمینان سے طے کرتے یہ لوگ انہی کاموں کو بے اطمینانی اور بیقراری کی حالت میں انجام دینے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ان کو سائنسی ایجادات کی ترغیب دلانے کے لئے قدرت نے اِسی بیسویں صدی کے اوّل نصف میں جنگ در جنگ کا ماحول ان پر مسلط کر دیا ہے بقول علامہ اقبال رح کے

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دنیا والوں کو سزا دینے کے لئے قضا وقدر کے فرشتوں کو زمین پر نہ آنا پڑے گا بلکہ ان لوگوں کے اپنے تیار کئے ہوئے ایٹم بم اور گیس وغیرہ خطرناک چیزیں ہی ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لئے کافی ہو جائیں گی اس لئے کہ آبادی کی بجائے ان سب کا خیال دوسروں کی بربادی کی طرف زیادہ ہے۔

لیکن قربان جائیے اس خدا کے جو ماں باپ سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اس کی تو مار میں بھی پیار کا جلوہ ہے۔ اس لئے کہ اگر یہی قومیں ایک دوسرے کی خرابی کا خیال چھوڑ کر ہمدرد و خیر خواہ بن جائیں تو جیسی شاندار اور عجوبۂ روزگار ایجادیں یہ کر چکے ہیں ان کے ذریعہ یہ دنیا سب کے لئے صحیح معنوں میں جنت بن جاتے۔ قرآن مجید کے پارہ ۵۔ سورت ۴ آیت ۱۴۷ میں فرمایا: "اے میرے بندو! اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم اللہ پر ایمان قائم کر کے اور اس کے شکر گزار اور فرمانبردار بن کر رہو کیونکہ اللہ تو خود اپنے بندوں کے کاموں کی قدر کرنے والا ہے

(قربان اس کی قدر دانی کے، سبحان اللہ)

قرطبہ اور غرناطہ (سپین) کی عرب یونیورسٹیوں کے سفید فام شاگردوں کی اولاد کی موجودہ سائنسی جد و جہد اور قابلِ قدر ایجادات کے بارے میں سطور بالا کے اندر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تائید حسب ذیل آیت سے ہو رہی ہے۔ پارہ ۱۸۔ سورت ۲۳۔ آیت ۹۵ میں جو فرماتے ہیں اس کا ماحصل یہ ہے کہ "اے مخاطب ہم نے انسانوں کے لئے جو جو کچھ تجویز کر رکھا ہے ہم کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تمام کام (ان سے کروا کے)

تجھ کو دکھا دیں ۔" (اس ترجمے میں ایک جملہ محذوف بڑھایا گیا ہے)

چنانچہ اب تو یہی نظر آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دیدے کے آخر خود ہی اپنی شان جباری دکھلانے ہوئے۔ ہر نبیؑ کی امت کو گویا کان سے نہیں بلکہ گردن سے پکڑ کر کم و بیش ویسے ہی کام کرانے شروع کر دیے ہیں کہ جیسے ان قوموں کے انبیاؑ نے ان کو کر کے دکھائے تھے۔

یعنی سابقہ انبیاؑ کے ہر معجزے کی نقل کے طور پر ان کی قوموں نے ایجادات کیں اور کرتے چلے جا رہے ہیں، جن کا بیان آگے آرہا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی روحانیت کو ترقی دیتے ہوتے اپنی رضا و رغبت سے یہ سب کام کرتے (جیسے کہ حضور نبی آخر الزماں صلعم کے صحابہؓ کی ایک مثال اوپر بیان ہوئی) تو اس صورت میں دنیوی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کی عقبےٰ بھی درست ہوتی جاتی۔ اب تو چونکہ صرف دنیوی ترقی کی دوڑ میں ہی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا شوق اور جذبہ ان سے یہ سب کچھ کرا رہا ہے۔ اس لئے عام طور سے ان کاموں میں خیر و برکت کی بجائے فی الحال تو ایک کے ہاتھوں دوسرے کی تباہی نظر آرہی ہے۔

اور یوں بھی جب ان حواریوں (سفید فام لوگوں) نے حضرت عیسےٰ[۴۱] سے آسمانی نعمتوں کے نزول کے لئے دعا کرائی تھی۔ تب بھی اس کے لئے یہ الفاظ انھوں نے کہے تھے کہ "ان نعمتوں کے مجمع کو حاصل کر کے ہم دنیا پر غلبہ پالیں اور ہمارے دلوں کو اپنی کامیابی سے تسلی ہو" (یعنی روحانیت کا ذکر انھوں نے اس وقت بھی نہیں کیا تھا۔)

یہاں پر ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ مجبور کر کے ان سائنسدانوں سے یہ ایجادات کرا رہے ہیں تو ان کی قوم سے فساد اور خونریزی کی خواہشات کو بھی کیوں نہیں دور کر دیتے کہ جس سے دنیا پر سب طرف تباہی برپا ہے۔ اگر وہ قومیں صحیح معنوں میں خود غرضی کو چھوڑ دیں تو زیردست مظلوم اقوام بھی زندگی کا کچھ لطف حاصل کر لیں اور یہ زبردست لوگ خود بھی جنت کے حقدار ہو جائیں

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ جہاں اللہ نے انسان کو علم و حکمت اور عقل و سائنس کی نعمتوں سے بہت سا حصّہ دے رکھا ہے وہاں اس کو ہر قسم کے کام کرنے کا اختیار دے کر آزاد بھی کر دیا ہے۔ پارہ ۲۹۔ سورت ۷، آیت ۳ میں فرمایا جس کا

خلاصہ یہ ہے کہ "ہم نے انسان کو ہر قسم کا راستہ سجھا دیا ہے۔ اب دیکھیں گے کہ وہ اچھا راستہ اختیار کرتا ہے یا خراب۔"

فرض کرو کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی عقل کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ زمین اور چاند ستّارے تو کیا یہ تو ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کے ذریعہ سے بڑے سے بڑا کام لے سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تحقیق سے انسان دنیا کو آباد کرنے والی چیزیں بناتا ہے یا شہروں کو اڑانے کے لئے اِس ایٹم سے بم بناتا ہے۔

پہلا معجزہ

سب سے پہلا معجزہ قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کا یہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے اتنا بڑا اور ایسی طاقت کا بحری جہاز بنایا کہ جس میں ایک دنیا سما گئی اور جس نے ایسی طوفانی لہروں کا مقابلہ کر لیا کہ جنھوں نے کل مخلوق کو غرق کر دیا تھا۔

پارہ ۱۲ سورت ۱۱۔ آیت ۴۲ میں فرمایا کہ وہ جہاز ایسی طوفانی لہروں میں چل رہا تھا کہ جو پہاڑ کے برابر اٹھ رہی تھیں۔ سو ایسے جہاز تو آج سے پہلے کسی نے بھی نہ بنائے تھے البتہ اب حضرت نوحؑ کی اولاد

سے اللہ تعالیٰ نے ضرور ایسے جہاز بنوا دئے ہیں کہ جو سمندر کے طوفانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔)

ایسے ہی جہازوں کا حوالہ پارہ ۲۵۔ سورت ۴۲ آیت ۳۲ میں ہے فرمایا: "اللہ کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سمندر کے پانی پر پہاڑ جیسے بڑے جہاز چلتے ہیں"۔ یہ آیت بھی موجودہ زمانے کے جہازوں کا اشارہ کر رہی ہے۔ ورنہ پہلے تو ایسی بادبانی کشتیاں چلا کرتی تھیں کہ جن کو ہوا کے جھونکے ادھر سے ادھر کر دیتے تھے۔)

دوسرا معجزہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن پاک میں مرقوم ہے۔ یعنی بھڑکتی ہوئی آگ ان کے لئے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ پارہ ۱۷۔ سورت ۲۱۔ آیت ۶۹ میں فرمایا ہم نے کہا "اے آگ تو ٹھنڈی ہو کر ابراہیم کے لئے سلامتی کا ذریعہ بن جا۔"

یہ تھا حضرت ابراہیم کا زبردست معجزہ! اگر ان برگزیدہ نبی کی اولاد اور ان کے نام لیوا اسی زمانے سے اللہ کے پرستار بنے رہتے تو اب تک کیا نہ ہو جاتا۔

لیکن اب ہزاروں سال گزر جانے کے بعد اللہ تعالےٰ نے ان کی اولاد میں سے کچھ لوگوں کو یہ ایجاد سمجھا دی کہ حال ہی میں ایسا لباس ایجاد کر لیا ہے کہ جس کو پہن کر آگ کے الاؤ میں کود جائیں تو انسان کا ایک رواں بھی نہ جل سکے اور اس لباس کی پیشین گوئی قرآن کے پارہ ۱۴- سورت ۱۶ - آیت ۸۱ میں یوں صاف الفاظ میں فرما دی ہے کہ "تمہارا خدا تمہارے لئے ایسا لباس بنوا دے گا کہ جو تم کو آگ سے بچا لے گا اور ایسا لباس بھی کہ جو جنگ اور ہر خطرہ سے بچا لے گا اور ہم تم لوگوں پر اپنی یہ نعمتیں پوری کر رہے ہیں تاکہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ۔" (نوٹ : سنا تو یہ بھی جا رہا ہے کہ اس آگ سے بچانے والے لباس پر رائفل کی گولی بھی اثر نہیں کرتی - یا اگر آج نہیں تو آئندہ کسی وقت ایسا ہو کر رہے گا، کیونکہ یہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے)، پھر اس ایجاد کے بعد یہ بشارت بھی ہے کہ تمام سائنسداں موجدوں کو اللہ پر ایمان لانا چاہئے اور ساتھ ہی تُسلمون کا لفظ ہے جس کے معنی مسلمان ہو جانا بھی ہیں اور مسلمان قرآن کے ذریعہ ہوتا ہے مطلب یہ کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ قرآن پر بھی ایمان لے آؤ کہ

جس نے چودہ سو سال پہلے ہی یہ سب کچھ بتا دیا ہے۔"

دُور کیوں جائیں حال ہی کا واقعہ ہے کہ یعنی دسمبر ۱۹۶۸ء میں امریکہ نے جو اپالو ہشتم کو چاند کے گرد چکر لگانے کو بھیجا تھا اس میں جو خلاء باز سوار تھے ان کا بیان ہے کہ "جب ان کا راکٹ چاند کے دائرے سے نکل کر زمین کی کشش سے کھنچنے لگا تو وہ ۲۵ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار کی وجہ سے چھ ہزار فارن ہیٹ کی حرارت کو پہنچ کر آگ کا گولہ بن گیا تھا" لیکن حیرت کا مقام ہے کہ راکٹ میں بیٹھے ہوئے خلانورد اور خود وہ راکٹ صحیح سلامت رہا۔ جس کا بیان آگے لکھا جائے گا۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کے معجزات

پارہ ۱۶۔ سورت ۲۰۔ آیات ۱۷ تا ۲۲ میں فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

ہم نے کہا اے موسےٰؑ جو عصا تیرے ہاتھ میں ہے اس کو پھینک دے۔ پس جب پھینک دیا تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ ہم نے کہا کہ ڈر مت اس کو پکڑ لے۔ یہ عصا جیسا تھا ہم اس کو پھر ویسا ہی بنا دیں گے اور دوسرا معجزہ یہ ہے کہ اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے بازو سے گریبان میں ڈال کر ملا دے تو وہ بغیر آگ جلائے چمکتا ہوا نکل آئے گا۔ یہ بجلی

کی روشنی کا اشارہ ہے۔

مذکورہ بالا دو بڑے معجزوں کے علاوہ حسب ذیل عذاب بطور معجزہ فرعون کی قوم پر نازل ہوئے جن کا ذکر پارہ ۹۔ سورت ۷۔ آیت ۱۳۳ میں فرمایا "ہم نے فرعون کی قوم پر پانی کا طوفان[۳]۔ ٹڈی دل[۴]۔ پچڑیاں[۵]۔ خون[۶] اور مینڈک کا عذاب نازل کیا"۔ پھر جب حضرت موسےٰ[۱۱] بنی اسرائیل کو نکال کر لے چلے تو اس کے بارے میں فرمایا۔ اپنے عصا کو پانی پر مار پس پانی کے دو حصے ہو کر اِدھر اُدھر دو ٹیلوں کی طرح کھڑے ہو گئے اور درمیان میں راستہ بن گیا)۔ حوالہ کے لئے دیکھو پارہ ۱۹۔ سورت ۲۶۔ آیت ۶۳۔

پھر پارہ اوّل سورت ۲۔ آیت ۵۷ میں فرمایا" اے بنی اسرائیل ہم نے تم پر (دھوپ کے بچاؤ کے لئے) بادلوں کا سایہ بہت دن تک رکھا اور من وسلویٰ نازل کیا۔"

پھر پارہ ۹۔ سورت ۷۔ آیت ۱۶۰ میں فرمایا" جب موسیٰ کی قوم کو پانی کی ضرورت ہوئی تو ہم نے کہا کہ اپنے عصا کو پتھریلی زمین پر مار دتو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔"

ان معجزات کی تاویل

غور کرنے پر معلوم ہو رہا ہے کہ ان تمام مذکورہ بالا معجزات کے مطابق

حضرت موسیٰ کی قوم یہود سے ایسے ہی افعال سرزد ہو رہے ہیں کہ جن سے مذکورہ بالا معجزات کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا پہلا معجزہ تھا "یدِ بیضا" یعنی ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملا کر روشنی پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ اشارہ صاف بجلی کی روشنی کا ہے۔ "ید" کے معنی ہاتھ اور طاقت دونوں ہیں۔ دایاں بایاں ہاتھ یعنی مثبت و منفی دو طاقتیں مل کر روشن ہو جاتی ہیں۔ دونوں ہاتھوں کو ملانے کی جگہ جیب یا جناح ہے۔ اس کے معنی گہری اور سوراخ دار چیز ہے۔ گویا بجلی کے پلگ اور سوئچ بنک کا اشارہ کر دیا اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بجلی کی ایجاد کسی یہودی سائنسداں نے کی ہے۔

دوسرا معجزہ عصا یعنی ہاتھ میں لینے کا ڈنڈا۔ اس کو نیچے پھینک دیا تو وہ سانپ بن گیا۔ سانپ جس لفظ کے معنی ہیں وہ "حَیَّۃ" ہے اسی لفظ کے دوسرے معنی ہیں زمین کا ایسا خطہ جہاں فراغت سے گزر بسر ہو سکے۔ پس اس کی تاویل یہ ہوئی کہ جب یہودی قوم گر کر پستی کو پہنچ گئی تو "امریکہ" کے ڈنڈے کے زور سے اس نے زمین کے ایک خطے پر قبضہ جمالیا، جہاں فراغت سے اس کی گزر بسر ہو رہی ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی

ہے کہ ریاست اسرائیل کی شکل نقشہ میں ڈنڈے یا سانپ کی طرح پتلی اور لمبی سی نظر آتی ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جب وہ ڈنڈا سانپ بنکر دوڑنے لگا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس سے ڈرو مت اس کو پکڑ لو تو ہم اس کو پھر اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ یعنی پھر لکڑی بن جائیگا یہ آخری جملہ دنیائے عرب کے لئے بڑی زبردست بشارت ہے کہ اگرچہ ان دنوں یہ ڈنڈا سانپ بنا ہوا ہے مگر بے خوف ہوکر اس کو قابو میں کر لیا جائے تو اللہ تعالےٰ اس کو پھر ڈنڈا بنا دیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ عرب لوگ اپنے خدا کے احکامات کی تابعداری کریں اور غفلت اور تن آسانی کو چھوڑ دیں۔

حضرت موسےٰؑ کا تیسرا معجزہ پانی کا طوفان تھا۔ جس کی تاویل یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اوّل تو یہودی ہمیشہ ایک نہ ایک طوفان برپا کرتے ہی رہتے ہیں۔ دوم یہ اشارہ اس بات کا ہو سکتا ہے کہ ایٹمی بموں کے دھماکوں سے جو طوفان سمندروں میں آتے رہتے ہیں ان کی ابتدا کسی یہودی سائنسداں نے کی ہوگی۔

چوتھا معجزہ ٹڈی دل کا تھا جو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کو

چٹ کرجاتا تھا۔ سو آج کل انہی سائنسدانوں نے ایسے جرم وار کیڑوں کے بیج حاصل کر لیئے ہیں کہ اگر ان کو زمین میں اگا دیا جائے تو وہ جرم پھیلتے پھیلتے تمام قرب و جوار کے کھیتوں اور باغوں کو فنا کر دیں گے اور ٹڈی دل سے ہزار گنا زیادہ تباہی پھیلا دیں گے مگر ان کے اگانے میں ایک خطرہ رکاوٹ بنا ہوا ہے کہ ان کو ایک دفعہ اگا دینے کے بعد وہ جرم پھر ختم نہ ہو سکیں گے بلکہ ساری دنیا میں پھیل جائیں گے۔ اور قرآن مجید کی ایک آیت سے اس کا اشارہ بھی ہو رہا ہے کہ کسی دن زمین پہ یہ بدنصیبی آکر رہے گی۔ پارہ ۱۵۔ سورت ۱۸۔ آیت ۸ میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "اس زمین پر جس قدر مٹی ہے وہ کسی دن، خشک اور سبزہ اگانے سے محروم ہو جائے گی۔" (اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں)

پانچواں معجزہ جسم پر چچڑیاں چمٹ جانے کا تھا۔ سو یہودی سائنسدانوں نے ایسے کیڑے بھی ایجاد کر لئے ہیں جو انسانوں کو چمٹ جائیں اور اُن کو کھا کر ختم کر دیں۔

چھٹا معجزہ تھا کہ عصا کے اشارے سے سمندر میں راستہ بن گیا اور راستے کے دونوں طرف سمندر کا پانی رُک کر دو پہاڑیوں کی طرح کھڑا ہو

گیا تھا۔ سو اوّل تو یہودیوں نے سمندر کے پانی پر بہت کچھ قابو حاصل کر لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ساحلی شہروں کو تباہ کرنے کے لئے ایسا منصوبہ تیار کر رہے ہیں کہ ساحل سے بیس تیس میل دُور غوطہ خور کشتی میں ایک ایٹم بم رکھ کر چلا دیا جائے تو اس کے پھٹنے سے سمندر کا پانی چار چار سو فٹ اونچا اٹھ کر ساحل کے قریب والے شہروں میں سینکڑوں میل لمبا چوڑا ہو کر اندر چلا جائے گا اور سب کچھ غرق کر دے گا اور یہ تجویز بھی یہودی سائنسدانوں کی ہے۔

ساتواں معجزہ خون کا تھا کہ پانی خون کی شکل کا ہو جاتا تھا۔ سو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ جب سمندروں میں ایٹم بموں کے دھماکے کرتے ہوں گے تو کروڑوں مچھلیاں مر کر پانی کا کافی حصہ سُرخ ہو جاتا ہو گا یا ممکن ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی دونوں شہروں پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے جن سے لکھوکھا انسانوں کا خون ہو گیا تھا۔ ان بموں کے بنانے اور گرانے میں یہودیوں کا ہاتھ ہو گا۔

آٹھواں معجزہ۔ حضرت موسیٰؑ کے عصا کے اشارے سے پہاڑی زمین پھٹ کر پانی کے چشمے جاری ہو گئے تھے سو یہودیوں نے بھی اپنی

ریاست کے ریگستان میں زیرِ زمین پہاڑوں کو برموں سے چھید کر پانی نکال لیا ہوگا تب تو ریگستانی علاقہ اتنا سرسبز ہو گیا۔

چونکہ حضرت موسیٰؑ نے عصا کے اشارے سے سمندر پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ یہودیوں نے بھی اپنی سائنسی طاقت اور دولت کی مدد سے سمندر پر اتنا قابو پا لیا کہ اس کے کھاری پانی کو میٹھا بنا کر ہزاروں فائدے حاصل کر لئے۔

نواں معجزہ :۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے یہودیوں پر من و سلویٰ نازل ہوا۔ وہی برکت ہے کہ یہودی آج تک بھوکا کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ دولت کے ذخیرے اسی قوم کے پاس ہیں۔

دسواں معجزہ :۔ حضرت موسیٰؑ کی دُعا سے ریگستان کی دھوپ سے بچاؤ کے لئے ان کے سر پر بادل گھرے رہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے بھی مصنوعی بادل بنانے کی ترکیب ایجاد کر لی۔ پہلی جنگِ عظیم ہی کے زمانے میں خاص خاص مقامات کو جرمنوں کی نظر سے بچانے کے لئے عارضی بادلوں کے ذریعہ ڈھانک کر رکھتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے پارہ ۲۲-سورۃ ۳۴-آیات ۱۰-۱۱ میں فرمایا، مفہوم اس کا یہ ہے: "ہم نے داؤد کو فضیلت دی تھی۔ ہمارے حکم سے پہاڑ اور طائر اس کی تابعداری کرتے تھے اور ہم نے لوہے کو داؤد کے لئے نرم کر دیا تھا۔ اور کہا کہ تو اس سے "سابغات" تیار کر جو آرام اور خوشی کا سبب بنیں اور "السَّردِ" کو خوب عقل اور اندازے سے مکمل کر۔" (اس آیت میں دو الفاظ غور طلب ہیں "سابغات" اس کے معنی ہیں لوہے کی باریک اور لمبی تاریں کہ جن کے ذریعہ سے ایسی کامل اور طویل چیزیں بنائی جائیں جو روزمرّہ کی زندگی اور جنگ کی حالت میں ہر طرح سے آرام اور خوشی بہم پہنچائیں۔ دوسرا لفظ ہے "اَلسَّردُ" اس کے معنی ہیں ایسی چیزیں اور ایسے آلات کہ جن کے ذریعہ بات اور کلام کو مسلسل اور دُور دراز تک نہایت خوبی کے ساتھ جاری رکھا جا سکے۔)

مندرجہ بالا آیات کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد کے معجزات یہ تھے کہ ان کو تار برقی اور ٹیلیفون بلکہ ریڈیو ایجاد کرنا سکھایا گیا تھا۔

اسی کی تشریح پارہ ۲۳۔سورت ۳۸۔آیت ۱۷تا ۲۰ میں فرمائی ہے مفہوم یہ ہے "داؤد ہمارا تابعدار اور ہاتھ کا بڑا کاریگر تھا۔وہ دن رات پہاڑوں سے کام لیتا تھا (یعنی ان کی کانوں سے ہر قسم کی چیزیں نکالتے تھے) اور طائر ہر وقت لوٹ لوٹ کر اس کے پاس آتے تھے اس کا ملک بڑا وسیع تھا اور ہم نے ان کو ایسی حکمت (سائنس) سکھائی تھی کہ وہ لوگوں کے ساتھ دُور دُور سے باتیں کرسکتا تھا۔"

اس آیت میں ایک جملہ تشریح طلب ہے وہ یہ کہ طائر لوٹ لوٹ کر اس کے پاس آتے تھے۔طائر کی تشریح پارہ ۱۵۔سورت ۱۷۔ آیات ۱۳۔۱۴ سے معلوم ہوتی ہے۔

انسانی اعمال اور اقوال کو یہاں طائر کہا گیا ہے۔اس لئے کہ جو بات اور جو اعمال انسان سے سرزد ہوگئے وہ اس کے قبضے سے نکل گئے یا ہوا میں اُڑ گئے۔پس جو طائر حضرت داؤد کے پاس لوٹ لوٹ کر آتے تھے وہ بھی وہی باتیں ہوتی تھیں جو مختلف مقامات سے تار برقی یا ٹیلی فون کے ذریعہ لوگ ان سے کرتے تھے بلکہ وہ آوازیں جو ہوا میں اُڑ کر ریڈیو کے ذریعہ ان تک پہنچتی تھیں اور پہاڑ بھی اس کام میں ان کے مددگار تھے (یعنی دُور ملکوں سے آنے والی آوازوں کو روکتے نہ تھے۔)

یہاں پر یہ راز ظاہر ہوا کہ چونکہ حضرت داؤدؑ بھی بنی اسرائیل ہی سے تھے۔ اس لئے یہ سب ایجادیں یہودیوں اور عیسائیوں ہی سے کرائی گئیں یا ان ہی کو کرنی پڑیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزے

پارہ ۲۲۔ سورت ۳۴۔ آیات ۱۲۔ ۱۳ میں فرمایا، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ "سلیمان کو ہم نے ہوا پر اختیار دے دیا تھا۔ ہوا ایک ماہ کی مسافت کے برابر ان کو صبح لے جاتی اور شام کو لے آتی تھی۔ (یعنی ہوائی جہاز سے) اور ہم نے سلیمان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔ ہمارے حکم سے جنات سلیمان کے آگے کام کرتے تھے۔ ان میں جو کوئی غلط کام کر دیتا تھا اس کو آگ کی سزا ملتی تھی۔ وہ کام کرنے والے اونچی سے اونچی "محاریب" بناتے تھے اور "تماثیل" بھی بناتے تھے اور حوض جتنے بڑے "جفان" بناتے اور اونچی اونچی دیگیں مال اور سرمائے کے لئے بناتے تھے۔ اتنی نعمتیں دے کر ہم نے کہا اے آل داؤد خدا کا شکر کرو۔"

حضرت سلیمان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دینے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اب حضرت داؤد کے بنائے ہوئے لوہے کے تاروں کے بجائے

تانبے کے تار سب جگہ پھیلا دیتے۔ آج بھی ٹرین کے سفر میں بجلی کے کھمبوں پر موٹے موٹے تانبے کے تاروں کا سلسلہ ہزاروں میل تک سورج کی روشنی میں ایسا چمکتا چلا جاتا ہے۔ جیسے تانبے کا دریا لہریں مار رہا ہے نیز بجلی کے استعمال کے لئے سب جگہ تانبے کے تار ہی پھیلے ہوئے ہیں اور یہ اشارہ اس بات کا ہے کہ حضرت سلیمان نے بجلی کی ایجاد کو سب جگہ پھیلایا اور یہ جو کہا کہ جو اس کام میں غلطی کرتا تھا اس کو آگ کی سزا ملتی تھی تو بجلی کے کام میں غلطی کی سزا تو جل جانا ہی ہے۔

ان آیات میں ایک لفظ "محاریب" ہے جس کے معنی بلند عمارتیں ہیں۔ دوسرا لفظ "تماثیل" ہے اس کے معنی ہیں تصویریں اور کسی کی نقل کا کھیل دکھانا اور یہ صاف اشارہ سینما اور ٹیلی ویژن کا ہے۔

تیسرا لفظ ہے "جفان" اس کے معنی ہیں آنکھ کا پپوٹہ۔ حوض کی برابر جفان اشارہ ہے۔ رصد گاہوں کے بڑے بڑے دُور بینی شیشوں کا اور اونچی دیگیں مال اور سرمایہ سے مراد ہے بنک گھر" لہٰذا یہ سب ایجادات بھی حضرت سلیمان کی نسل کے لوگ کر چکے ہیں۔)

"حضرت سلیمان کے لئے کام جنات کرتے تھے ۔ آج بھی بڑے بڑے

بجلی سے چلنے والے کارخانوں اور سو سو منزلہ عمارتوں کو دیکھ کر یہی منہ سے نکل جاتا ہے کہ ان کو جنات نے بنایا ہوگا انسانوں نے نہیں۔) اور آگے والی آیت نے اس کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ یعنی پارہ ۲۳۔سورت ۳۸ آیات ۳۶ تا ۳۸ میں فرمایا۔ ہم نے ہوا کو سلیمان کا تابعدار بنا دیا تھا۔ اس کے حکم سے آہستہ بھی چلتی تھی اور تیز بھی (یہ ہوائی جہاز کا اشارہ ہے) اور طاقتور سرکش لوگ اس کے لئے معماری اور غوطہ خوری کا کام کرتے تھے اور کچھ لوگ "اصفاد" میں جکڑ دیئے جاتے تھے۔"اصفاد یعنی اپنی مرضی کی بنائی ہوئی قید کی جگہ۔ یہ اشارہ سب مرین کشتیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ شاید اس کے اندر بیٹھنے والے لوگ الٹ پلٹ ہونے کے خیال سے خود کو باندھ لیتے ہوں گے جیسے کہ ہوائی جہاز ہیں۔ اسی پارہ ۲۳۔سورت ۳۸ کی آیات ۳۱ تا ۳۳ میں جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سلیمان نے تیز رفتار گھوڑوں کو ختم کر ڈالا" (اس کا مطلب یہ کہ ہوائی جہازوں کی ایجاد سے گھوڑوں کو بے کار کر دیا۔)

پارہ ۱۹۔سورت ۲۷۔ آیات ۳۸ تا ۴۰ میں فرمایا جس کا مفہوم ہے "سلیمان نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے کہ جو

ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کے تخت کو اٹھا لائے۔ یہ سُنکر ایک ماہر فن بولا کہ میں دربار برخاست ہونے سے پہلے اٹھا لاؤں گا۔ دوسرا جو اس علم کا پورا ماہر عالم تھا وہ بولا کہ میں پلک جھپکتے میں اٹھا لاؤں گا۔ (چنانچہ وہ لے آیا) اور جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس دیکھا تو بولا یہ میرے ربّ کا فضل ہے اور میرے ایمان کی آزمائش ؔ

اس آیت سے راکٹ کی تیز اڑان کا حال بتایا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے تقریباً تمام چیزیں آج تک ان کی امتیں ایجاد کر چکی ہیں۔ حضرت داؤدؑ کی تار برقی۔ ٹیلیفون۔ وائرلیس۔ ریڈیو وغیرہ اور حضرت سلیمانؑ کے معجزے۔ تانبے کی تاروں سے بجلی وغیرہ کا وسیع انتظام۔ سربفلک عمارتیں۔ ہوائی جہاز۔ سینما۔ ٹیلی ویژن۔ اجرام فلکی کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے والی رصد گاہوں کی دُوربینیں۔ بنک۔ آبدوز کشتیاں۔ راکٹ وغیرہ سب کے اشارے آگئے ہیں۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے معجزے

اور یہ معجزے بہت ہی عجیب وغریب ہیں۔ وہ بن باپ کے پیدا

ہوتے۔ والدہ کی گود اور پنگھوڑے میں معقول باتیں کرنے لگے۔ اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور پیدائشی اندھوں کو بحکم خدا بینا اور کوڑھیوں کو تندرست۔ مٹی سے پرندے بنا کر پھونک مارتے تو وہ اڑ جاتے اور یہ بتا دیتے کہ کسی نے کیا کھایا اور کیا گھر میں رکھا۔

ان تمام معجزوں کا بیان صاف صاف الفاظ میں پارہ ۳۔ سورت ۳۔ آیات ۴۵ تا ۴۹ میں فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے ساتوں معجزوں میں سے کسی ایک کے مطابق تو ان کی اُمّت یعنی عیسائیوں نے ایجادات کر کے دکھا دی ہیں مثلاً مٹی یا زمین کے میٹریل سے ہوائی جہاز تیار کر کے اڑا دیئے اور ایسی مشینیں بھی ایجاد ہو گئی ہیں کہ جن سے لوگوں کے دل کا حال معلوم ہو جائے اور ایسی بھی کہ لوگوں کے گھروں کے اندر کی کیفیت بھی معلوم کر لیں۔

پیدائشی اندھوں کی آنکھوں کے گڑھوں میں دوسرے انسان کی آنکھیں لگا دینے سے ان کو بینائی مل جاتی ہے۔

کوڑھ کے شافی علاج کے لئے بھی دواؤں کی تحقیق جاری ہے،

اور کچھ کامیابی ہو چلی ہے۔

بچہ پنگھوڑے یا ماں کی گود میں معقول باتیں کرے۔ اس کے لئے چند عیسائی فلاسفر بہت عرصہ ہوا یہ تحریک کر چکے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے ماں اور باپ خاص خاص ہدایات پر عمل کریں تو بچے پیدا ہوتے ہی کچھ نہ کچھ بولنے لگیں گے۔

باقی رہا بن باپ کے بچے پیدا ہونا، سو اس کے لئے عیسائی سائنسداں رات دن تجربات کر رہے ہیں۔ یہاں تک تو پہنچ رہے ہیں کہ اگر "نر" کے ہارمونس مادہ کھالے تو ان کا اثر مادہ کے انڈوں میں چلا جائے گا اور یوں بن باپ کے بچہ پیدا ہو سکے گا۔

اب رہ گیا مُردوں کو زندہ کرنا۔ سو اس کے لئے انتہائی کوششیں کی جارہی ہیں۔ اوّل تو جن اندرونی اعضا کی خرابی سے انسان کی موت واقع ہونے کا خطرہ ہو، ان اعضا کو بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ ایک شخص کے سینے میں دوسرے کا دل لگا دیا جاتا ہے اور اس میں کامیابی کی جھلک بھی نظر آنے لگی ہے اس کے علاوہ جس شخص کو ڈاکٹر یہ کہدیں کہ یہ مر گیا تو اس کے جسم کو نئے نئے طریقوں سے مساج کر کے اور بجلی کی نو ایجاد

ٹریٹمنٹ سے دوبارہ زندہ کر سکیں گے۔

اس کے علاوہ عیسائی یورپین سائنسداں آج کل نہایت عجیب و غریب تجربات کر رہے ہیں کہ مُردے کو ایک خاص وقت کے اندر اندر خاص ترکیبوں کے ساتھ ڈیپ فریزر میں دفن کر دیتے ہیں۔ اس امید پر کہ سو دو سو سال کے بعد جب سائنس زیادہ ترقی کر جائے گی تو اس زمانے کے سائنسداں اس مُردے کو نکال کر زندہ کر لیں گے۔

ایک حیرت انگیز واقعہ

چنانچہ حال ہی میں یعنی ماہ ستمبر ۱۹۶۸ء کو شہر نیویارک (امریکہ) میں ایک شخص بنام اسٹیفن مانڈل کو مرنے سے پہلے ہی بے ہوش کر کے برفانی تابوت میں رکھ کر برفانی جگہ دفن کر دیا گیا ہے جس کا مفصل حال ۱۳ جنوری ۱۹۶۹ء کے اردو روزنامہ اخبار "جنگ" کراچی نے "تاریخ انسانی کا حیرت انگیز واقعہ" کے عنوان سے اپنے اخبار کے پورے تین چوتھائی صفحہ پر مع تصاویر کے شائع کیا ہے۔ لکھا ہے کہ مذکورہ بالا نوجوان کو کوئی ایسا لا علاج مرض لاحق تھا کہ ڈاکٹروں نے چند ماہ بعد اس کی موت لازم بتا دی تھی۔ موجودہ زندگی سے نا امید ہو کر اس نے اپنے آپ کو ان سائنسدانوں

کے حوالے کر دیا کہ جو مُردوں کو سو سال کے لئے ڈیپ فریز میں دفن کرنے کے تجربے کر رہے ہیں کہ "اس ترکیب سے سو سال کے بعد زندہ ہو کر میں شاید اپنی عمر کی پوری بہار کو دیکھ سکوں گا۔"

چنانچہ ان تجربہ کرنے والوں نے اس نوجوان کی رضا و رغبت سے ہزاروں مشاہدہ کرنے والوں کے سامنے بے ہوش کر کے اس کے جسم سے سارے خون اور دیگر سیال مادے کو کھینچ کر نکال لیا اور کوئی دوسرا سیال مادہ رگوں میں بھر دیا پھر رفتہ رفتہ اس کے جسم کو ٹھنڈا کر کے منجمد کر دیا اور ایک گول بوتل کی شکل کے محراب دار بڑے صندوق میں اس کو رکھ کر برف کی تھیلیوں سے تابوت کو بھر دیا اور ایسی برفانی جگہ دفن کر دیا جہاں کا درجۂ حرارت ہمیشہ صفر سے دو سو درجے نیچے رہتا ہے اور اس کے حالات بورڈ پر لکھ کر تابوت کے اوپر بلکہ اندر بھی لگا دئے۔ نیز دفن ہونے والے نے چند گھنٹہ پیشتر اپنی مرضی سے مائک کے سامنے اپنی زندگی کے پورے حالات بلند آواز سے خود ہی بیان کر کے ریکارڈ کر لئے اور تابوت میں ان کو رکھوا لیا۔ تاکہ آئندہ زندگی میں مدد ملے۔ سائنسدانوں کے یہ تجربات تو عجیب ہیں ہی مگر اس کے متعلق

قرآن مجید کی حیرت انگیز پیشین گوئی

اس سے بڑھ کر ورطۂ حیرت میں غرق کر دیتی ہے۔ یعنی پارہ ۱۵ سورت ۱۸ "الکہف" کی آیات ۹ سے ۲۶ تک اصحاب کہف کے حالات اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرز سے بیان فرمائے کہ جیسے اسی قسم کے معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کا مفہوم درج ذیل ہے :۔

"کہف اور رقیم والے جوانوں کے حالات کو تم ناممکن اور عجیب نہ سمجھو۔ یہ لوگ اللہ کے بھروسے پر دعا کر کے محفوظ جگہ پر سو گئے۔ اور ہم نے خود ان کو کچھ برسوں کے لئے تھپک کر سلا دیا۔ پھر ہم ان کو جگا دیں گے اور معلوم کریں گے کہ ان دونوں فرقوں میں سے کون زیادہ اس طرح سے سو جانے کی حکمت کو جانتا ہے۔"

اور "اصحاب کہف ایک فجوہ میں ہیں، جہاں سورج کی دھوپ بالکل نہیں پہنچتی۔ وہ سو رہے ہیں اور ان کا کلب اس جگہ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ ہم ان کو پھر زندہ کر دیں گے۔ تب یہ آپس میں کہیں گے کہ کتنا عرصہ سوتے رہے۔ کسی کو خیال ہوگا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم کوئی کہے گا اللہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ پھر یہ اپنے آدمیوں میں سے

ایک کو کاغذ کا سکّہ دے کر شہر کی طرف بھیجیں گے کہ پاکیزہ کھانا لے آئے اور دِل میں ڈر رہے ہوں گے کہ یہاں کے لوگ ہم کو بھی اپنے جیسا ہی بے دین نہ بنا لیں۔"

اور "اللہ تعالےٰ وہاں کے لوگوں کو اِن اصحاب کہف کا حال بتا دیں گے۔ وہاں کے ذی اقتدار لوگ جو اللہ پر ایمان لا چکے ہوں گے وہ ان اصحاب کہف کے لئے ایک مسجد بنوا دیں گے۔ اب پوچھنے والے ان کی تعداد پوچھیں گے۔ تم کہدو کہ اللہ تعالےٰ کو معلوم ہے۔ پھر یہ بھی پوچھیں گے کہ وہ کتنا عرصہ سوتے رہے۔ کہو کہ تین سو نو برس تک۔ ان کے علاوہ اور کون کتنے برس سویا۔ سو یہ تو زمین و آسمان کا غیب جاننے والا ہی جانتا ہے۔ تم تو خدا کی قدرتوں کے کرشمے دیکھتے اور سنتے جاؤ۔"

مذکورہ بالا آیات میں خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں "کہف" وہ غار یا گہرائی کہ جہاں پر اصحاب کہف سو رہے ہیں یا آئندہ سوئیں گے۔ "رقیم" لکھے ہوئے وہ کتبے یا بورڈ جو اُن سونے والوں کے حالات سے متعلق لکھ کر ان کے غار پر لگا دیتے گئے ہیں اور یہ بورڈ لوگوں کو

ان کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہیں۔ جیسے کہ امریکن اسٹیفن مانڈل کے ساتھ اس کے حالات اور پتے کے بورڈ لکھ کر رکھے گئے ہیں۔

پھر قرآن مجید میں فرمایا کہ "ان غار اور کتبے والوں کو عجیب اور ان کے واقعات کو ناممکن نہ سمجھو" (یعنی یہ باتیں ممکن العمل ہیں اور ان کا کچھ نتیجہ بھی ہے) "جب انھوں نے ہم سے رحمت کی طلب کی تو ہم نے اُن کو (شفقت سے) تھپک کر سلا دیا"۔ (جس کا مطلب ہے کہ اس کام میں خدا کی مرضی شامل حال ہے) پھر فرمایا کہ "ان کو جگا کر ہم معلوم کریں گے کہ دونوں فرقوں میں سے کون اس سونے کی مدت کا حساب صحیح رکھتا ہے"۔ (دونوں فرقوں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربات دو فرقے کریں گے جیسے چاند اور سیاروں میں جانے کے لئے "امریکہ" اور "روس" ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں)

پھر فرمایا کہ "کہف (غار) والے فجوہ کے اندر ہیں"۔ (فجوہ کے معنی محراب دار یا گولائی لئے ہوئے جگہ۔ سو اسٹیفن مذکور کو امریکہ میں جس تابوت کے اندر رکھا گیا ہے وہ گول بوتل کی شکل کا بنایا گیا ہے، اخبار میں اس کا فوٹو تھا اور اس گول تابوت کو جس کہف یا گہرے گڑھے،

میں دفن کیا۔ قرآن فرماتا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت نہیں پہنچتی مطلب صاف ظاہر ہے کہ اگر دھوپ کی گرمی وہاں پہنچے تو وہ مقام اتنا ٹھنڈا کس طرح رہ سکتا ہے کہ اس کا درجۂ حرارت ہمیشہ صفر سے دو سو ۲۰۰ درجے کم رہے۔

دوسری حیرت انگیز بات یہ فرمائی کہ "انکا کلب" اس جگہ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔" (کلب کے ایک مشہور معنی تو جانور کُتے کے ہیں جس سے یہ ظاہر فرما دیا کہ کُتا انسان کا وفادار ساتھی اور محافظ ہے اور اس لفظ سے یہ بھی اشارہ فرما دیا کہ کہف میں سونے والوں کی قوم کتے پالتی ہے اور یہ اصحاب کہف خود ہی جا کر کہف میں سو گئے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ اسٹیفن مذکور کی طرح اور زندہ لوگ بھی اس مقصد کے لئے خود کو پیش کریں گے یا کسی نے یہ کہا کہ میرے مَر جانے کے بعد مجھے بھی اسی طرح برف کے تابوت میں رکھ دینا تو یہ بھی خود کو پیش کر دینے کے مترادف ہی ہو گیا۔)

لفظ "کلب" کے دوسرے معنی بڑے ہی عجیب اور حقیقت آگاہ ہیں یعنی کلب کے معنی ہیں انتہائی سردی اور ٹھنڈک۔ کلب نے ہاتھ پھیلائے ہوئے کا مطلب تابوت کے سب طرف برف ہی برف پھیلی ہوئی ہے

یعنی اسی کے ذریعہ سے کسی مُردہ جسم کی حفاظت ہوتی ہے۔

سبحان اللہ یہ اشارہ کس قدر حیرت انگیز ہے!!" اصحاب کہف خود ہی غار میں جاکر سو گئے۔ یہ اشارہ ہے کہ اور لوگ بھی سٹیفن مانڈل کی طرح یا تو زندہ ہی خود کو دفن کے لئے پیش کر دیں گے یا وصیت کے ذریعہ سے (یعنی مرجانے کے بعد)

پھر فرمایا کہ کسی دن ہم ان سونے والوں کو جگا دیں گے"۔ کیسی خوشخبری ہے یہ ان سائنسدانوں کے لئے کہ جو اس قسم کے تجربے تو کر رہے ہیں مگر دل پھر بھی متردد ہی ہوں گے کہ دیکھئے مطلب پورا ہوگا یا نہیں۔ موجودہ سائنسداں تو اس کوشش کے انجام کو دیکھ نہ سکیں گے۔ سو سال کے بعد کوئی اور لوگ ہی دیکھنے والے ہوں گے۔ لیکن کتنی خوشی اور کامیابی کا مقام ہے کہ سچے خدا اور سچے قرآن نے ان سائنسدانوں کو اطمینان دلادیا کہ تمہارے سُلائے ہوئے اشخاص ایک دن اللہ کے حکم سے جاگیں گے۔ یعنی یہ مُردے زندہ ہوں گے۔

اور جب یہ جاگ اٹھیں گے تو انکے پاس کاغذ کے سِکّے ہونگے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اشارہ ہمارے اسی زمانے کا ہے کہ آجکل

ہی کاغذ کے سکے یا نوٹ کا رواج ہے، پہلے نہ تھا۔

یہ لوگ جو اتنی طویل نیند سے جاگ کر نئی دنیا کو دیکھیں گے۔ ظاہر ہے کہ خدائے پاک کی ہستی کے قائل ہو جائیں گے تو یہ دوسروں کے کفر اور شرک کے خوف سے یوں ہراساں ہوں گے کہ یہ دنیا والے ہم کو بھی کافر نہ بنا ڈالیں مگر چونکہ ان میں سے بعض کو قرآن کی رُو سے تین سو سال سے اوپر سوتے ہوتے ہو چکے ہوں گے تو اس وقت تک دنیا میں سب طرف اللہ کا دین پھیل چکا ہو گا۔ خصوصاً جو لوگ دنیا میں غالب اور حاکم ہوں گے وہ ایمان لا چکے ہوں گے۔ چنانچہ وہ صاحب اختیار لوگ قرآن کی رو سے اصحاب کہف کے لئے مسجد بھی تیار کر دیں گے۔ یہاں پر قرآن میں "مسجد" ہی کا لفظ ہے اور "مسجد" اسلام کی عبادت گاہ کا نام ہے انہی آیات قرآن سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سائنس کے ذریعہ سے سلائے جانے والے افراد دیگر مختلف اور کم و بیش میعادوں میں بھی اٹھائے جائیں گے۔ مگر وہ زمانہ کہ جس میں سب طرف اسلام ہی اسلام نظر آئے گا۔ وہ ان لوگوں کو ملے گا جو آج سے تین سو برس کے بعد جاگیں گے یا زندہ ہوں گے۔

اور یوں تو اللہ تعالےٰ نے پارہ ۳۔ سورت ۲۔ آیت ۲۵۹ میں صاف لفظوں میں اس کا اشارہ فرمادیا ہے کہ سو سال کے بعد بھی انسان ایسی سائنسی نیند سے جاگ سکے گا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ "ایک شخص کسی بستی پر سے گذرا اور وہ بستی اَوندھی گری پڑی تھی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ اس اجڑی اور مُردہ بستی کو اللہ تعالےٰ اب کِس طرح آباد اور زندہ کر سکے گا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس شخص کو وہیں پر کسی پہاڑ کی کھوہ میں مردہ کر کے ڈال دیا۔ پھر سو سال کے بعد اس کو زندہ کر کے پوچھا کہ تو کتنے دن یہاں پڑا رہا۔ وہ بولا ایک دن یا اِس سے کچھ کم"۔ اللہ نے فرمایا کہ تو ایک سو سال تک یہاں پڑا رہا اپنی سواری کے جانور کو دیکھ کہ اس سو سال میں وہ مٹی اور ہڈیوں کا ڈھیر بنکر رہ گیا ہے اور اب تو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی دیکھ لے کہ وہ ذرا بھی خراب نہیں ہوئیں بس جب اس کو یہ سب معلوم ہوا تو بولا کہ مَیں نے اچھی طرح سے سمجھ لیا کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ کر سکتا ہے"۔

یہ الفاظ اس کے نتیجے میں ان کو کہنے پڑے کر
"اُس مُردہ بستی کو اللہ تعالےٰ اب کس طرح آباد و زندہ کر سکے گا"۔

بہرحال یہ بھی بنی اسرائیل کے ایک بزرگ نبیؑ کا واقعہ ہے جن کے نام میں اختلاف ہے۔ تاہم راجح خیال حضرت عُزیرؑ کی طرف ہے

اور اصحاب کہف بھی بروایات صحیحہ عیسائی قوم کے جوان تھے جو یہودیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر پہاڑ کے غار میں جاکر سو گئے تھے پس اسی مناسبت سے زندہ اور مُردہ جسموں کو اس خیال سے برف میں دفن کر دینا کہ سو دو سو سال کے بعد یہ زندہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ مرحلہ طے کرنا بھی یہودی اور عیسائی اقوام کے ذمّے ہی ہے۔ اسی لئے وہ یہ تجربات کر رہے ہیں اور یہی مثال بعینہٖ مذکورہ بالا امریکی جوان اسٹیفن مانڈل پر بھی صادق آرہی ہے کہ وہ بھی اس دنیا کی تکلیف یعنی خطرناک بیماری کے جان لیوا حملے کے خوف سے جیتے جی تابوت میں جاکر سو گیا۔

فرق صرف اتنا ہے کہ اصحاب کہف کو دنیا کے کافر و مشرک لوگوں کے ہاتھوں اپنا دین اور ایمان ضائع ہوتا معلوم ہو رہا تھا اور مؤخر الذکر کو بیماری کی وجہ سے اپنی زندگی اور جان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا اصحاب کہف کی انہی مذکورہ آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان

کو نہ صرف بے ہوش اور مُردہ کر کے سینکڑوں برس کے بعد زندہ کریں
گے۔ بلکہ کسی زمانے میں لوگ سینکڑوں برس تک اصلی نیند سو کر بھی
جاگ اٹھیں گے اور اس دوران کروٹیں بھی بدلتے رہیں گے اور چونکہ
یہ قرآن کا اشارہ ہے اس لئے آج نہیں تو ہزار پانچسو سال کے بعد
ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

یوں تو کتب وسیرت در روایات میں حضورؐ کے بے شمار حیرت انگیز
اور تعجب خیز معجزات لکھے ہوئے ہیں کہ جو وقتی طور سے دیکھنے میں آتے
رہے ہیں لیکن یہاں بخوف طوالت صرف انہی معجزات کا کچھ ذکر لکھا جاتا
ہے جو قرآن کی رو سے ظاہری طور پر ثابت ہو رہے ہیں۔ اگر نظر تحقیق
سے دیکھا جائے تو یقیناً قرآن ہی سے اور معجزات بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

ایک بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید
میں انبیاءؑ کے معجزات کے لئے "آیات" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جیسا
کہ پارہ ۱۵۔ سورت ۱۷۔ آیت ۵۹ میں فرمایا "ہم نے قوم ثمود کو نصیحت
اور عبرت کے لئے اونٹنی دی مگر انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم انبیاءؑ

کو "آیات" دے کر اس لئے بھیجتے ہیں کہ لوگ اللہ سے ڈر کر برُے اعمال چھوڑ دیں۔" (آیات کے معنی معجزے)

پارہ ۷۔ سورت ۶ - آیت ۳۷ میں جو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ " منکر لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ پر کوئی آیت کیوں نہیں نازل کی جاتی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اپنی قدرت سے آیات کو نازل تو کر رہا ہے مگر لوگ سمجھتے نہیں۔"

مطلب یہ کہ قرآن کی یہ آیات جن کے خاتمہ پر ایک گول نشان ٥ ہوتا ہے یہ بجائے خود معجزے ہیں اور لغوی معنی بھی آیت کے معجزہ ہی ہے اور اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو قرآن حکیم کی کل آیات ہی بیں معجزات ہیں یعنی ان کے الفاظ کی بندش اور روانی۔ فصاحت و بلاغت ایسی عجیب و غریب ہے کہ عرب کے بڑے سے بڑے زبان داں ادیب اور شعراء نے صدیوں زور مارا مگر قرآن کی ایک آیت جیسی بھی نہ بنا سکے جب کہ اللہ تعالےٰ نے خود اس کے لئے چیلنج کیا۔

جیسا کہ پارہ اوّل سورت ۲ - آیت ۲۳ میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم لوگوں کو یہ شک ہے کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے نازل نہیں

ہو رہا، تو اس قرآن جیسی ایک (چھوٹی سی) سورت بنا کر دکھا دو اور خدا کے سوا، دنیا کے تمام ذرائع سے اس کام میں مدد لے لو۔"

خوبیٔ زبان[1] کے علاوہ آیات کا مضمون[2] ایسا متاثر کرنے والا کہ سخت سے سخت دل پگھل جائے اور غافل سے غافل کی آنکھیں کھل جائیں - ان میں جو احکامات[3] اور ہدایات ہیں وہ ایسے معجز نما کہ ان پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو زمین و آسمان کی بادشاہت نصیب ہو گئی - ان میں جو گزشتہ[4] واقعات اور قصّے بیان ہوئے وہ بالکل حرف بحرف صحیح اور درست - اور سب سے بڑھ کر آئندہ زمانے کے لئے ان آیات میں جو جو پیشین گوئیاں[5] کی گئی ہیں وہ آج چودہ سو سال کے بعد بھی حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہیں، اور قیامت تک ہوتی رہیں گی خواہ قیامت ایک لاکھ برس تک نہ آئے۔

قرآن[6] کی آیات اس لئے بھی معجزہ ہیں کہ ان کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالےٰ نے لیا ہے اور وہ اس طرح پورا ہو رہا ہے کہ چودہ سو سال سے آج تک اس کے ایک زیر و زبر اور شوشے میں فرق نہیں آیا۔

اور سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ کہ اس کی ہزارہا آیات کو آٹھ نو سال

کے بچے بڑی خوبی سے حفظ کر لیتے ہیں اور اس روانی سے سناتے ہیں کہ سننے والا مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

اُن سب کے علاوہ قرآن میں جو آیات متشابہات ہیں ان میں تو ایسی رنگارنگ دلچسپیاں ہیں کہ سمجھنے والا انہیں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان میں زمین سے لے کر آسمان تک ازل سے لے کر ابد تک کل کائنات کے حالات ایسی تشبیہات اور تمثیلات و استعارات میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کی گہرائیوں میں اتر جانے والا گویا زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک بن جاتا ہے۔

لیکن ان تمام قرآنی معجزات کے علاوہ بھی اللہ تعالےٰ نے سرتاج انبیاء صلعم کو جو دو بڑے معجزے عطا کیے وہ تو بلاشبہ تمام معجزات کے سرتاج ہیں یعنی تمام انبیاء کو جتنے معجزات عطا ہوتے وہ سب کے سب تقریباً زمین سے تعلق رکھتے تھے مگر خاتم النبیین صلعم کو آسمانی معجزات دئے گئے یعنی اوّل تو یہ کہ ایک انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دئے۔ دوم یہ کہ اپنے مبارک جسم کے ساتھ آسمان تو کیا عرش و کرسی تک جا پہنچے اور ذاتِ باری نے خود آپ کو طلب فرمایا

مدارج و مراتب کی اس شان اور بزرگی کا تو تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ جو اللہ تعالےٰ نے حضور کو عطا فرمائی - واقعہ معراج کی تفصیل سے ایک دُنیا واقف ہے - یہاں ایک بڑا زبردست سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ بالا قاعدے کے بموجب بحکم خدا ہر امّت اپنے اپنے انبیاے کرام کے معجزات سے ملتے جلتے کام کر کے دنیا کو پُربہار اور بارونق بنا رہی ہے تو خاتم الانبیاء کی امت مُسلمہ کو اب آسمان میں جانے کے مرحلے طے کرنے چاہییں - مگر برعکس اس کے دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ آسمان کی خبریں بھی دوسری اقوام ہی لانے لگی ہیں - آتے دن چاند کیطرف راکٹوں کا بھیجنا - وہاں کی خبریں منگوانا چاند کے گرد چکر لگانے کے واسطے تین انسانوں کی حیرت انگیز جرأت اور اس میں کامیاب ہو کر واپس زمین پر آجانا اور مریخ کے ساڑھے تین کروڑ میل فاصلے کے لئے راکٹ کا روانہ کرنا - یہ سب کچھ کون کر رہا ہے؟ صاحب معراج کی امت نہیں بلکہ دوسری اقوام -

(سطور بالا لکھنے کے بعد تو خلانورد دو مرتبہ چاند میں جا کر بھی لوٹ آئے -)

نہ جانے ہم آج کل کے مسلمان - اس حالت میں معراج والے آقا اور آسمان والے اللہ جل جلالہ، کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے - حیف ہے

جس اُمت کا قرآن آسمان پر جانے کے تمام طریقے بتا رہا ہے اور راستے سمجھاتا ہے۔ اس امّت کے بہت سے افراد کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ آسمان پر کوئی جا ہی نہیں سکتا۔ جو لوگ ایسے دعوے کر رہے ہیں وہ ایک طرح سے خدائی دعوے کر رہے ہیں اور جو لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں وہ مذہب سے ناواقف ہیں اور شیطانوں کو خوش کرتے ہیں ـــــ اب کوئی ان غلط فہم لوگوں کو کیا سمجھائے کہ اگر یہ کام شیطان کے ہیں تو پھر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی چھ سو سے زیادہ آیات میں اولادِ آدم کو تسخیر کائنات کی ترغیب کیوں دلائی ہے اور جو لوگ اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کیوں کی ہے جس کا ذکر آیات کے حوالوں سے زیرِ نظر مضمون میں کیا جا چکا ہے اور یہ کوششیں کرنے والے کامیاب کیسے ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی کامیابی کوئی چھپی ہوئی نہیں، روزانہ اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ان کی خبریں آتی رہتی ہیں۔

وہ تو شکر ہے کہ گزشتہ زمانے کے مسلمان اس حقیقت سے آگاہ تھے اور انھوں نے قرآن مجید کی انہی آیات کی روشنی میں اپنی پہلی ہی فرصت

کے دوران تسخیر کائنات پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اور صدیوں کی جدوجہد سے ایسی ایسی تحقیقات کیں اور سائنس کے وہ وہ فارمولے ایجاد کیے کہ جن کی بنیاد پر آج کے سائنسدانوں نے سائنس کی یہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی ہے۔

ریڈیو ماسکو کا اعلان

یعنی ہم اپنی جن قومی خصوصیات کو یکسر بھول بیٹھے ہیں۔ ان کا ذکر اور اعتراف دنیا کی دوسری اقوام سے کسی نہ کسی وقت سننے میں آجاتا ہے مثلاً حال ہی کی بات ہے کہ محمد حفیظ اللہ صاحب پھلواری نے ایک کتاب "شارع سرور" لاہور سے شائع کی ہے جس کا نام ہے "مسلمانوں کی ایجادیں"۔ اس میں انھوں نے حال کے ایک واقعہ کا بیان بھی لکھا ہے کہ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء میں "ماسکو ریڈیو" سے ایک اعلان ہوا جس میں کہا گیا کہ "امریکہ اور اس کے دوست، ہم روسیوں پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ ہم نے بیٹھے بٹھلائے مفت میں فوقیت حاصل کر لی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جرمن قیدی انجینئروں سے چاند پر راکٹ چلانے کی ترکیبیں سیکھ لی ہیں۔"

اس کے جواب میں ماسکو ریڈیو نے کہا "ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہم پر یہ الزام غلط لگایا گیا ہے۔ ہم تو بہت برسوں پہلے سے ان چیزوں کی مشقیں کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس "سپین" کے عرب سائنسدان مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ پرانی کتابیں موجود ہیں اور ان کے فارمولوں کے مطابق ہم نے یہ سب کچھ خود ہی کیا ہے۔"

خدا کی شانِ رحمت ہے کہ اب تک تو مسلمانوں کی عزت قدرت کی طرف سے یوں بنتی جا رہی ہے کہ غیروں کی زبان پر کلماتِ حق جاری ہو جاتے ہیں۔

مگر آخر کہاں تک !! اگر اب بھی ہم نے اپنے فرضِ منصبی کو نہ پہچانا تو بار بار قرآن مجید کی وہ آیات آنکھوں کے سامنے آکر جسم میں لرزہ پیدا کر رہی ہیں کہ جو منجملہ اور پاروں کے پارہ ۲۶ میں نازل فرمائی ہیں۔ پارہ ۲۶ سورت ۴۷ آیات ۳۳ نیز ۳۸ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ کی تابعداری کرو ورنہ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور اگر تم اللہ اور رسول سے پھر جاؤ گے تو اللہ تعالےٰ کسی دوسری قوم کو تمہاری جگہ پر لا بٹھائے گا اور وہ تمہارے جیسی نا اہل سست الوجود اور

غافل نہ ہوگی۔"

پارہ ۶ سورت ۵ آیت ۵۴ میں فرمایا، ماحصل اس کا یہ ہے :اے مسلمانوں! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا کہ جو اللہ (کے احکام کو اور اسکی آیات) کو دل سے پسند کرے گی اور اللہ اس کو پسند کرے گا۔ وہ اللہ کی خوشی کے کام کو دل کی لگن اور سخت کوشش سے پورا کرے گی اور کسی ملامت کرنے والے کی رکاوٹ ڈالنے کی پرواہ نہ کرے گی۔ ان پر اللہ کا فضل ہو گا اور وہ جس پر چاہے اپنا فضل کر دے اور اللہ کا علم بہت ہی زیادہ اور وسیع اور سب جگہ پھیلا ہوا ہے" (چونکہ زمین اور آسمان کے علم اور سائنس کا اشارہ ان آیات میں ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے علم اور سائنس والوں کو جتا دیا کہ اسکو نہ بھولنا کہ اللہ کا علم سب سے زیادہ وسیع اور بلند ہے) باقی رہا مذکورہ بالا آیات کی خداوندی تنبیہ کا خوفناک تصور کہ اگر ہم اپنے رتبے کی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل ہو گئے تو دوسری اقوام کو ہماری جگہ دے دی جائے گی۔ سو اگر بہ نظر تحقیق و بغائی ہوش وحواس دیکھا جائے تو وہ موعودہ روز سیاہ مدت ہوئی کہ ہمارے لئے آچکا ہے کہ جب ہماری

جگہ دوسروں کو مل گئی۔ اس خیر امت کی۔ وہ قابل فخر خصوصیات کب کی
ختم ہو چکیں کہ جو پارہ ۴ سورت ۳ آیت ۱۳۹ میں اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے
بیان فرمائی تھیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تم غمگین ہو کر بددل اور ہراساں نہ ہونا
اگر تم مومن ہو تو دنیا میں سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبے کے مالک تمہیں رہو
گے" لیکن اب تو دنیا میں جس قوم کو دیکھو کسی نہ کسی طرح سے وہ ہم سے
بڑھی ہوئی نظر آتی ہے اور جن اعلیٰ کاموں کا شرف ہم کو ملنا چاہیئے تھا وہ
دوسروں کو مل رہا ہے اور ہمارے حصّے میں غم ناامیدی اور حسرت ہی آ
رہی ہے اور یہ انجام ہونا ضروری تھا جبکہ خود اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک
کے پارہ ۱۰ سورت ۹ آیت ۳۸، ۳۹ میں یہ

غضب کا اشارہ فرمایا

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم کو کیا ہو گیا۔ جب تم کو کہا
گیا کہ اللہ کی "سبیل" پر انفار کرو تو تم بوجھل ہو کر زمین پر ہی رہ گئے اور اسی
دنیا پر قناعت کر بیٹھے۔ انجام کو نہ سوچا۔ اگر تم اللہ کی سبیل پر) انفار نہ کرو گے
تو بہت تکلیف پاؤ گے۔ اور تمہارا درجہ دوسری قوم لے لے گی اور تم اس
کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے"۔ اس مبارک آیت میں دو الفاظ قابل غور ہیں "سبیل"

جس کے معنی "راستہ" تو سبھی لکھتے ہیں۔ مگر اس کے پورے معنی ہیں "روشن یا چمکدار راستہ" دوسرا خاص لفظ ہے "اِنْفِرُوْا" اس کے معنی "بھاگ جاؤ"۔ تو لکھتے ہی آئے ہیں۔ مگر پورے معنی ہیں گھوڑے کی طرح بدک کر اچکنا اور چھلانگ لگا کر دور بھاگ جانا (یعنی اڑ جانا)۔ پس ان الفاظ کی تاویل یہ ہوئی کہ اللہ کے بنائے ہوئے روشن اور چمکیلے چاند سیاروں کے راستہ پر زور لگا کر (یعنی راکٹ کے ذریعہ سے) چڑھ جاؤ۔ ورنہ تمہارا اونچا درجہ دوسری قومیں لے لیں گی (نوٹ اور حسب فرمان ربّی یہی کچھ ہو رہا ہے)

ایسی ہی دوسری آیت

پارہ ۱۸ سورت ۲۳ آیت از اوّل تا ۱۱ میں جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے "نیک اعمال مومنوں کی مرادیں پوری ہوا کرتی ہیں ان کی جو اپنی "صلات" کے لئے "خشیہ" سے کام لیتے ہیں اور وہ لوگ "لغو" سے "اعراض" کرتے ہیں اور جو زکوٰۃ کے لئے کوشش کرتے ہیں اور جو لوگ "امانت" اور "عہد" کی رعایت کرتے ہیں۔ یہی لوگ زمین اور فردوس دونوں کے وارث ہیں :۔

مذکورہ بالا گیارہ آیات میں اللہ تعالےٰ نے مومنوں کی صفات بیان

فرمائی ہیں جو عام فہم الفاظ میں قرآن مجید کے ہر ترجمے میں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ عربی کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کے الفاظ کی تحقیق کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا عربی لغات میں ان مذکورہ آیات کے چند الفاظ کے معنی تلاش کئے تو حسب ذیل برآمد ہوئے۔

اول "صلات" اس کے معنی پرانے ترجموں میں لکھے ہوئے ہیں نماز۔ حالانکہ نماز جس لفظ کا ترجمہ ہے وہ لفظ "صلوٰۃ" ہے۔ ڈکشنری کی رُو سے لفظ صلات کے معنی ہیں تیز سے تیز سواری جسکو اور بھی زیادہ تیزی سے چلایا جائے۔ "خشیہ" کے معنی ہیں خوف اور احتیاط۔ "لغو" کے معنی ہیں فضول بات اور نا امیدی۔ "معرضون" کے معنی ہیں منہ پھیر لیتے ہیں یا زمین پر جم کر نہیں بیٹھتے اور لمبے چوڑے کام یا سفر کرتے ہیں۔ "زکوٰۃ" کے معنی پاکیزگی اور خوبی کے ساتھ بڑھتے اور پھیلتے جانا۔ "فاعلون" دوڑ دھوپ کرنا۔ "امانات" سیدھے راستے "عہد" تحقیقات اور ذمہ داری "راعون" رعایت اور نگرانی کرتے ہیں۔ "فردوس" آسمان کے باغ اور وادیاں۔ وارث، یعنی مالک اور حقدار، پس مندرجہ بالا لغوی معنوں کے اعتبار سے،

مذکورہ بالا آیات کی تاویل

یہ ہو گی۔ بے شک وہ لوگ مرادیں حاصل کریں گے۔ کہ جو ایمان اور یقین کی مضبوطی کے ساتھ اچھے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور اپنی تیز سے تیز سواری کو تیز تر کر کے بہت احتیاط سے اڑاتے ہیں اور ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں کہ کہیں ناکام نہ ہو جائیں۔ یہ لوگ مایوسی اور ناامیدی کو پاس نہیں آنے دیتے اور زمین پر جم کر نہیں بیٹھتے۔ بلکہ لمبا چوڑا سفر کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے مقصد اور سفر کو آگے سے آگے بڑھانے کی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں اور جو سیدھے راستوں پر اڑتے جاتے ہیں اور صحیح تحقیقات کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ یہی لوگ زمین اور آسمان (یعنی چاند سیاروں کے) باغوں اور وادیوں کے وارث اور حقدار ہوں گے"۔

(ان زیر نظر آیات میں صاف طور سے چاند اور سیاروں میں جانے کے اشارے کئے گئے ہیں اور اس امر کی تشریح بھی ہے کہ اس سفر کے طے کرنے میں خلا بازوں کو کیا کیا کرنا پڑے گا۔ اور سائنس دان موجدوں کو کیا کیا!)

بادی النظر میں زیر بحث آیات کی یہ تاویل اور ترجمہ بڑا عجیب اور غیر

مانوس سا معلوم ہو گا۔ مگر عربی لغات سے اس کی صحت کا ثبوت مل جائے گا، تو نہ صرف اسبارہ میں اطمینان ہی ہو گا۔ بلکہ یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آیات متشابہات میں اکثر ذومعنی الفاظ اسی لئے استعمال فرمائے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہو گا کہ قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں اسی مقصد سے نازل فرمایا ہے کہ اس میں دنیا بھر کی زبانوں سے زیادہ الفاظ ہیں اور ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں۔ اسی لئے پارہ ۲۴ سورت ۴۱ آیت ۴۴ میں فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کو عربی کی بجائے کسی عجمی زبان میں نازل کر دیتے تو زباں دان کہتے کہ قرآن کی آیات کو اللہ نے پوری تفصیل اور وضاحت سے کیوں نہیں سمجھایا۔ کیا عجمی زبان عربی کا مقابلہ کر سکتی ہے ؟

اس کے علاوہ پارہ ۱۵ سورت ۱۷ آیت ۸۹ میں جو فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں انسانوں کے واسطے کل معاملات کو اشاروں اور مثالوں میں تصریف کے طور پر بیان کر دیا ہے مگر اکثر لوگ ان اشاروں کی تصریف کے سمجھنے سے صاف انکار کرتے ہیں"۔ (اور تصریف کے معنی ہیں الفاظ کے معانی کے ذریعہ سے بات کا رخ بدل دینا اور ایک

بات میں سے دوسری بات پیدا کر دینا جس سے کلام میں خوبی اور لطف پیدا ہو جائے۔

اور چونکہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ مطالب کی رنگارنگی۔ حسن بیان اور لطف کلام ودلعیت فرمارکھا ہے اس لئے قرآن کے مبلغوں اور دین کے سفیروں کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ جیسے کہ پارہ ۱۴ سورت ۱۶ آیت ۱۲۵ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جب تم کسی کو اللہ کے سیدھے راستے کی طرف بلاؤ یعنی اس کے سامنے قرآن کو پیش کرو تو حسن تدبیر اور عقل و حکمت سے پیش کر کے اس کے دل کو ادھر رجوع کرنا۔"

اسی طرح پارہ ۲۔ سورت ۲۔ آیت ۲۵۶ میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ "دین کے بارے میں یاد رکھو کہ کسی پر جبر اور زبردستی نہ کرنا بلکہ قرآن کے ذریعہ لوگوں پر سیدھے اور الٹے راستے کا فرق ظاہر کرتے رہو۔"

دکھاں ہیں وہ لوگ کہ جو یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا ہے) ذرا چشم بصیرت سے تعصب کی عینک اتار کے ان آیات کو پڑھیئے

المختصر یہ کہ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے خود بھی قرآن مجید کی آیات خصوصًا

متشابہات میں الفاظ کی ایسی ترکیب رکھی ہے کہ جن پر غور کرنے والوں کو ایک ایک آیت کے اندر بے شمار حکمتیں اور لاتعداد دلچسپیاں نظر آتی ہیں۔ ان آیات میں ایسی دلکشی ہے کہ جو لوگ شوق اور دلی توجہ سے قرآن کو پڑھ کر سمجھیں تو دونوں جہاں کی بہتری کے احکام اور قوانین کے ساتھ ساتھ کائنات بھر کے عجائبات اور حیران کن حقیقتیں بھی معلوم ہوتی جائیں کہ جس سے انسان قرآن ہی کا ہو کر رہ جائے اور اسی ذریعے سے علم و ایمان بڑھتا چلا جائے۔

چونکہ اللہ تعالےٰ چاہتے ہیں کہ ان کے خلیفہ انسان کا تعلق اپنے مالک سے ہر وقت قائم رہے اور ایمان کے علاوہ اس کو ہر قسم کی معلومات بھی حاصل ہوتی رہیں۔ قرآن کا حجم بھی نہ بڑھے اور راز کی جو باتیں راسخون فی العلم کے لئے بیان کی گئی ہیں۔ ان کو موقعہ بموقعہ وہ عالم ہی سمجھیں۔ عوام کے دماغوں کو ان میں الجھنا نہ پڑے۔ اس لئے قرآن کے حروف اور آیات کو ادل بدل کے، ہیر پھیر کے ساتھ تصریف کر کرکے سمجھایا گیا ہے۔ لیکن یہ کیسی محرومی اور رنج کی بات ہے۔ جب یہ طے شدہ ہے کہ قرآن کے بعد اب اور کوئی کتاب نازل نہ ہوگی تب تو صرف اسی

کتاب کے مطالعہ سے دونوں جہان کے لئے سب کچھ معلوم ہو سکے گا لہٰذا اس صورت میں تو اور بھی زیادہ لازم ہو گیا ہے کہ اس اکسیرِ اعظم کی رتی رتی اور ذرے ذرے کو الٹ پلٹ کر دیکھیں کہ اس میں کس جگہ کوئی حیات بخش جوہر پوشیدہ ہے۔

پارہ اوّل سورت ۲۔ آیت ۱۲۱ میں فرمایا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ "ہم نے جن لوگوں کے لیے قرآن نازل کیا ہے اگر وہ لوگ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ کرنے کا حق ہے تو سمجھا جائیگا کہ قرآن پر ان کو پورے طور سے ایمان ہے اور اگر تلاوت کا حق ادا نہ کریں گے تو وہ خود ہی خسارہ میں رہیں گے۔" (حق ادا نہ کرنا اس کی بادیکیوں پر غور نہ کرنا ہی ہے)

پارہ ۷۔ سورت ۶۔ آیت ۸۹۔۹۱ میں فرمایا "جن لوگوں کے لئے ہم نے قرآن نازل کیا اگر یہ لوگ قرآن کو سمجھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے انکار کریں گے تو ہم نے ایسے لوگوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جو قرآن سے کبھی منہ نہ موڑیں گے کیونکہ ان لوگوں نے تو خدا کی اور اس کے قرآن کی قدر نہیں کی جیسی کہ کرنی چاہیے تھی اور کہا تو یہ کہا کہ اللہ نے اس

رسول پر کیا خاص چیز نازل کی ہے ؟۔ کہدے کہ اس کتاب میں تم کو وہ علوم سکھلائے گئے ہیں کہ جو تمہارے باپ دادا کو بھی معلوم نہ تھے۔"

پارہ ۲۸۔سورت ۶۱۔ آیت ۸ میں فرماتے ہیں "ہم کو تو اپنے نور یعنی قرآن کو دنیا میں پھیلانا ہے خواہ مخالفوں کو بُرا ہی معلوم ہو۔"

پس ظاہر ہے کہ جو کوئی قرآن کو سمجھ سمجھا کر اس کی روشنی کو پھیلانے میں مدد دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی فرمائیں گے ۔ اسی طرح

راسخون فی العلم

یعنی وہ لوگ کہ جو قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق ایجادات کر کے اللہ کی کائنات کو چمکا رہے ہیں۔ وہ خواہ اس قوم سے ہی کیوں نہ ہوں کہ جو قوم کسی زمانے میں بے شمار انبیاءؑ کو قتل کرتی چلی گئی تھی اور جنہوں نے عیسٰےؑ ابن مریم اور ان کی والدہ کو ستایا اور اب بھی دنیا کو تکلیف دے رہی ہے ۔ لیکن اس قوم کے راسخون فی العلم یعنی سائنس داں موجدوں اور عالموں کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہوں ۔ حوالے کے لئے دیکھئے پارہ ۶۔ سورت ۴۔ آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲ ۔

سائنسی ترقی تو اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند ہے کہ ہزاروں سال پہلے اس کی پیشین گوئیاں قرآن میں درج فرما دی ہیں اور ایسے ہی لوگوں کے لئے پارہ ۴ ۔ سورت ۳ ۔ آیات از ۱۹۱ تا ۱۹۵ میں فرمایا "یہ لوگ رات دن کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی خدا کی قدرتوں اور زمین و آسمان کی تخلیق کے راز معلوم کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور جب کسی راز کو پا جاتے ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ تو نے کائنات کی ہر شے کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور ہم نے ان مقاصد میں سے کسی ایک کو پا لیا ہے ۔ پروردگار ہم نے تیرے قرآن کی پکار کو بھی سُن لیا ہے ۔ ہم کو اس پر ایمان عطا فرما کر اپنا وعدہ پورا فرما۔" پس اللہ نے ان کی دعا کو قبول کیا ۔ اس لئے کہ خدا کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کیا کرتا ۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔ اللہ کے نزدیک تم سب برابر ہو۔"

ایک بھیانک انجام

آج اگر مسلمان اپنے اس انجام سے آنکھیں بند کر لیں کہ ہماری جگہ بہت بُری طرح چھن گئی، تو پھر یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ آسمان کے چاند

سیاروں میں جانے کی جدوجہد کرنے والے لوگ ہی قرآن اور اس کے نازل کرنے والے خدا اور معراج پر جانے والے رسول صلعم پر انشاءاللہ ایک دن ایمان لے آئیں گے، یعنی اس صاحب معراج رسولؐ پر کہ جس کی ذات مقدس نے اولاد آدم کے لئے آسمان پر جانے اور واپس آنے کے راستے آسان کر دیئے اور یقین کامل ہے کہ قرآن کے وعدے کے مطابق جیسے ہی ان سائنسدانوں کے ذہن قرآن کریم کی، طرف مائل ہو جائیں گے ویسے ہی ان کی آسمان پر پہنچنے کی تمنائیں بر آنے لگیں گی اور ان میں سے جو لوگ چاند یا مریخ وغیرہ پر پہنچیں گے تو لامحالہ وہ لوگ وہاں کی تمام کیفیات لکھ کر ضرور لائیں گے اور یوں قرآن پاک کی وہ تمثیل پوری ہو جائے گی کہ جو پارہ ۱۵ سورت ۱۷ آیات ۹۰ تا ۹۳ میں درج ہے کہ یہ کافر لوگ کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے

محمدؐ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے اس ریگستان میں پانی کے چشمے[۱] نہ جاری کر دے یا ایسا نہیں تو پھر ایسے ہی خشک ریگستان[۲] میں تیرے لئے ایک باغ لگ جائے۔ بعد میں اس باغ کے اندر

نہریں[۳] جاری ہو جائیں، یا تیرے لئے [۴]سونے کا ایک مکان بن جائے
یا آسمان[۵] سے پتھر برسا دے یا فرشتے[۶] دکھا دے یا تو آسمان[۷] پر چڑھ جائے
اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک
تو ایک لکھی[۸] ہوئی کتاب آسمان سے لے کر نہ اُترے اور اس کتاب کو
ہم لوگ پڑھیں یا[۹] خدا کو ہمیں دکھا دے۔ (اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اے
رسول)" تو کہدے کہ میرا رب یہ سب کچھ کر سکتا ہے میں تو ایک انسان
اور اللہ کا رسول ہوں۔"

آمدم بر سرِ مطلب : چاند یا مریخ سے لکھ کر جو کتاب لائی جائے
گی اس کے آجانے کے بعد انشاء اللہ دنیا والے خود بخود قرآن پر ایمان
لے آئیں گے۔ یہ سوچ کر کہ اتنی صدیوں پہلے سے جس قرآن نے یہ سب
باتیں بتا دیں بے شک یہ قرآن سچا اور اس کا لایا ہوا دین اسلام سچا ہے۔
اور پھر لوگ یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ ان قرآنی آیات میں کافروں نے
جتنی شرطیں رکھی تھیں۔ وہ سب پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں یعنی ریگستان،
کے ایک حصے میں بہت سے ٹیوب ویل لگا کر پانی کے چشمے[۱] جاری کر
لئے گئے، نیز پانی کے پلانٹ لگا کر سمندر کے کھاری پانی کو میٹھا بنا کر

پائپوں میں نہر کی طرح[۲] بہا دیا گیا۔ کویت اور اسرائیل میں یہ سب کچھ مشاہدے میں آرہا ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ریگستان میں پانی کے بغیر ویسے ہی خشک ریت کے اندر اللہ کے ایک سائنسدان بندے نے جو نومسلم ہے جس کا نام رچرڈ بکیر کے بجائے اسلامی نام رشید بکیر رکھ دیا گیا ہے۔ عمر رسیدہ اور یورپ نژاد یعنی یورپین ہے۔ بغیر پانی کے عجب[۳] طریقے سے باغ لگا دیئے ہیں جو قدآدم سے بہت اونچے ہو چکے ہیں کہتے ہیں کہ درختوں کے چھوٹے چھوٹے پودے خشک ریت میں کھود کر لگا دیئے جاتے ہیں اور ان پودوں کو بطور انجکشن کوئی کیمیکل سپرے کیا جاتا ہے جس کی تاثیر سے وہ پودے نیچے کی موسچر (نمی) کو کھینچ لیتے ہیں اور یہ باغ جب تیار ہو گئے تو قدرتی اصول کے مطابق ان کی کشش بادلوں کو اپنی طرف کھینچ لائی تو آیت شریف کے اشارے کے مطابق ان خشک باغوں[۴] میں پانی جاری ہو گیا۔

جب تک باغ کے پودے قدآور ہوں اس وقت تک بغیر پانی کے صرف زمین کی نمی کو کھینچ کر یہ پودے پروان چڑھتے ہیں اور قرآن پاک نے اس ایجاد کا بھی اشارہ کر دیا ہے۔ پارہ ۳ سورت ۲ آیت ۲۶۵ میں

فرماتے ہیں۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ ٹیلوں پر ایسے باغات لگائے جاتے ہیں کہ ان پر بارش برس جائے تو خوب پھل لاتے ہیں اور جب تک بارش نہ ہو تو وہ نیچے کی نمی سے بڑھتے رہتے ہیں اور انسان جو جو کام کر رہے ہیں اللہ اسے کو دیکھ رہا ہے"۔ (یہ ہے اللہ کا معجز نما قرآن مجید کہ جس میں ہر ایجاد کے متعلق پہلے ہی سے اطلاع دی گئی ہے۔ چوتھی شرط یہ تھی کہ رسول پاک کا مکان ۴ سونے کا بن جائے۔ سو سخت حیرت کا مقام ہے کہ اس چودھویں صدی میں یہ معجزہ بھی رونما ہو گیا کہ مدینۃ الرسول کے قریب کے پہاڑوں سے سونے کی اتنی بڑی کان نکل آئی ہے کہ جس سے ایک نہیں کئی مکان بن سکتے ہیں۔

پانچویں شرط تھی آسمان پر ۵ چڑھنے کی سو ہجرت سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے حضور اکرم صلعم کو آسمان پر بلا کر پھر واپس زمین پر بھیجدیا اور یہ معجزہ اور عالی رتبہ کسی اور نبی علیہ السلام کو عطا نہ ہوا تھا۔ گویا اس کام کو حضور انور سے شروع کرا کر اللہ تعالے نے اولاد آدم کے لئے ایک مثال قائم کر کے آسمان پر آنے جانے کے لئے راستہ کھول دیا ہے اور اب حضور کے غلامان غلام نہ صرف ہوائی جہازوں میں آسمان

پرواز بے بھر رہے ہیں بلکہ چاند پر تو جا چکے اور مریخ میں جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ چھٹی شرط تیر کمان کے زمانے میں لوگوں نے یہ لگائی تھی کہ آسمان سے پتھر برسا دو سو اس چودھویں صدی ہجری میں اس کا نظارہ بھی دنیا نے جا بجا دیکھ لیا کہ جنگوں کے ۔ ۔ ۔ میں ایک دوسرے پر ہوائی جہازوں سے پتھر سے بھی زیادہ بھاری لوہے کے گولے برسائے گئے۔

دور کیوں جائیں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ پاک و ہند میں دشمن نے صرف پاکستان ہی کے اوپر ہزارہا چھوٹے بڑے بم برسا دیئے تھے۔ ساتویں شرط فرشتوں کو دکھانے کی تھی۔ سو وہ بھی اسی مذکورہ بالا جنگ میں پاکستان کے دشمنوں کو دکھائی دیئے گئے۔ اس طرح کہ جس مقام پر پاکستان کی فوج کا ایک سپاہی بھی موجود نہ ہوتا تھا تو وہاں دشمن کا فوں کو فوج کی بھاری جمعیت نظر آجاتی تھی۔ اس کی تائید میں قرآن پاک کی کئی آیات میں سے ایک آیت یہ ہے۔

کہ جو حضور صلعم کے مبارک زمانے کی ایک جنگ کے واقعہ کا حال بیان فرماتی ہے پارہ ۳ سورت ۳ آیت ۱۳ میں جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے "جب دو فوجیں آپس میں جنگ کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک اپنے اللہ کے

لئے لڑ رہی تھی اور دوسری کفر کے پھیلانے کے لئے (پس اس وقت ایک معجزہ ظاہر ہوا) کہ جو کافر تھے ان کو مسلمانوں کی فوج دگنی تعداد میں نظر آنے لگی (جس سے کافر خوفزدہ ہو گئے اور اللہ جس طرح چاہے کسی کی مدد کر سکتا ہے۔ اس واقعہ میں سمجھ بوجھ والوں کے لئے عبرت اور نصیحت ہے"۔

اور یہ سب کچھ قرآن پاک کے اس وعدے کے مطابق ہوتا ہے کہ جو پارہ ۴ سورت ۳ آیت ۱۲۵ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اے ایمان والو! اگر دشمن تم پر اچانک ٹوٹ پڑیں تو تم اللہ پر بھروسہ کر کے مقابلے پر ڈٹ جاؤ تمہارا خدا پانچ ہزار مقررشدہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا"۔

فرشتوں کا انسان کی شکل میں ظاہر ہونے کا بیان پارہ ۱۶ سورت ۱۹ آیت ۱۷ میں اس طرح سے ہے کہ "ہم نے مریم کی طرف فرشتے کو بھیجا اور وہ بالکل انسان جیسا نظر آیا"۔

آٹھویں شرط کہ خدا کو سامنے لے آؤ۔ سو چاند سیاروں سے واپس آنے والے خود ہی بیان کریں گے کہ ہم نے خدا کی قدرت کے وہ جلوے دیکھے کہ گویا خدا ہی سامنے آگیا اور پھر آخری نویں چیز ہو گی وہ کتاب جو ہاں

سے لکھ کر یہ آنے والے لائیں گے اور چھپوا کر سب کو پڑھنے کے لئے دیں گے (ایسا کیوں نہ ہو گا جب کہ چاند کے اندر پہنچ جانے والے خلاباز وہاں ہی سے زمین پر خبریں (تصویریں) بھیجتے رہتے ہیں۔

سبحان اللہ! یہ ہے قرآن کی شان اور یہ ہیں اس کی آیات متشابہات کے اشارے اور مثالیں اور ایک یہی نہیں قرآنی آیات کا تو جس قدر گہری نظر سے مطالعہ کرتے رہیں۔ ایسی ہی بے شمار باریکیاں نظر آتی چلی جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ ختم نہ ہو گا اور جس جس کو جتنی جتنی باریکیاں سوجھتی جائیں گی اتنی ہی اس کی عقیدت اور جوش ایمان کو بڑھاتی جائیں گی۔

خصوصاً جس وقت تلاوت قرآن کرنیوالا ایسی اشتیاق انگیز اور ولولہ خیز آیات کو پڑھے گا تو کون ہے جو قرآن کے مضامین کے بارے میں غور کرنے کا شیدائی نہ ہو جائے گا جیسا کہ پارہ ۱۱ سورت ۱۰ آیت ۶۱ میں فرمایا ہے اس کا مفہوم یہ ہے "یوں تو تم جس کام میں اور جس شان میں ہوتے ہو۔ ہم تم کو دیکھتے ہی رہتے ہیں لیکن جس وقت تم ہمارے قرآن کے کسی حصے کی تلاوت کرتے ہو اور جبکہ تم قرآن کی باریکیاں اور اس کی آیات

کے عجیب و غریب رازوں کو تلاش کرتے ہو تو اس وقت خاص طور سے خوش ہو کر ہم تمہارے پاس موجود ہو جاتے ہیں ۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس شرف کے حاصل کرنے کی توفیق دے ، آمین)

پس سب سے بڑا معجزہ

حضور سرورِ کائنات کا پورا "قرآن مجید" ہی ہے ۔ پھر اس کے بعد معراج مبارک ہے کہ جسم اطہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں پر تشریف لے جا کر واپس تشریف لے آئے جس کا ذکر جدا گانہ کیا جائے گا ۔ اور تیسرا معجزہ "شق القمر" ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کے اشارے سے چودھویں کے چاند یعنی بدر کامل کے دو ٹکڑے ہو گئے اور پھر جڑ گئے ، پارہ ۲۷ سورت ۵۴ آیات ۱-۲-۳ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے : وقت قریب آگیا اور چاند شق ہونے لگا مگر لوگ جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ایسے جادو تو ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں لہٰذا منکروں نے اس معجزے کو بھی جھٹلایا اور جو جی میں آیا بولنے لگے ۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث میں عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت علی مرتضیٰ عبداللہ بن عمر فاروقؓ انس بن مالکؓ عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر کئی صحابہ

سے روایت ہے کہ منکرینِ رسالت اور کفار و مشرکین نے بدر کامل کی رات ایک منصوبہ تیار کر کے حضور صلعم سے آکر کہا کہ پچھلے تمام انبیاؑ نے اس زمین پر بہت معجزے دکھائے۔ آپ آخری نبیؑ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان سے بڑھ کر کچھ دکھاؤ بلکہ بجائے زمین کے آسمان کا معجزہ دکھاؤ اور یہ چاند جو اس وقت ہمارے سروں کے اوپر نظر آرہا ہے۔ اس کے دو ٹکڑے کردو" یہ سن کر حضور حسب معمول خاموش رہے اور اپنے دل میں اللہ سے التجا فرمائی۔ یکایک جبریل امیں مندرجہ بالا آیت لے کر نازل ہوئے اور حضور انورؐ نے بحکم خدا اپنی انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور لوگوں نے کیا دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا کوہ صفا کی طرف دوسرا کوہ مروہ کی طرف چلا گیا اور پھر دونوں حصے واپس آکر بدستور مل گئے یہ دیکھ کر کافر لوکھلا گئے۔ اور تو کچھ نہ سوجھا چلانا شروع کر دیا کہ بڑا زبردست جادو کیا گیا ہے۔ کسی نے کہا غضب کی نظر بندی کی گئی ہے اور اسی طرح کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

پھر آخر یہ تجویز کی کہ جو لوگ دور سے آئیں ان سے دریافت کیا جائے کیونکہ نظر بندی کا اثر نزدیک ہی رہتا ہے چنانچہ جو لوگ دور کے مقامات سے

آئے اور انہوں نے بھی حیران ہو ہو کر اس عجیب واقعہ کی گواہی دی اور کہا کہ نظر بندی کا اثر اتنی دور دراز اور آسمان تک کیسے ہو سکتا ہے چنانچہ باہر سے آنے والوں میں سے بہت سے لوگ بحکم خدا مسلمان ہو گئے۔ مگر اہل مکہ اپنی ضد اور تعصب پر اڑے رہے۔ یہ واقعہ نبوت کے نویں سال کا ہے۔ حضور کے معراج مبارک کے عجائبات تو اس قدر ہیں کہ وہ سورہ النجم کی تفسیر میں انشاء اللہ جداگانہ لکھے جائیں گے۔

پڑھنے والوں سے ایک درخواست

سطور بالا میں آیات کی جو تاویلات لکھی جا چکی ہیں۔ یہ حرف آخر نہیں ہیں نہ جانے عالی دماغ عالموں کو انہی تاویل شدہ آیتوں میں اور کیا کیا باریکیاں سوجھ جائیں گی۔ اس کے علاوہ ادراک و تدبر سے قرآن کا مطالعہ کرنیوالوں کو ایسی صدہا آیات اور بھی قرآن پاک میں مل جائیں گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار ادراک و تدبر سے قرآن کے اوپر غور کرنے کا حکم دیا ہے اور قیامت تک کے لئے دیا ہے

ان اشاروں سے سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن روح اور سائنس کا خزانہ ہے جس طرح پہاڑوں سے چھپے خزانے نکالے جاتے ہیں اسی طرح اس خزانے میں

سے بھی روحانیت اور عقل و سائنس کے خزانے نکالنے کی سر توڑ کوشش کریں سر توڑ اس لئے کہ اسی خزانے کی طرف سے دنیا لاپرواہ ہو رہی ہے۔ ورنہ مادی خزانوں کی تلاش میں تو اولادِ آدم نے دن رات کو ایک کر رکھا ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں یہ یقین کرنا پڑے گا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں انسان کی عارضی زندگی کو کامیاب اور پر بہار بنانے کے لئے زمین اور پہاڑوں وغیرہ کے اندر طرح طرح کے خزانے چھپا رکھے ہیں۔ اسی طرح انسان کی روحانیت اور انسانیت کی تکمیل کے لئے قرآن کی آیات متشابہات کے الفاظ کے اندر بھی عجیب و غریب تحقیقات اور پیشین گوئیوں کے خزانے پوشیدہ کر کے رکھے ہیں کہ جن سے انسان کو وہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے جو اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں۔ پارہ ۳۰ سورت ۹۶ آیت ۵ میں فرمایا ہے کہ اللہ نے انسان کو قرآن کے ذریعہ سے وہ کچھ سکھا دیا کہ جو کسی اور طریقے سے نہ سیکھ سکتا تھا۔"

اور یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ انسان فطرتاً جدت پسند واقع ہوا ہے۔ یہ بچپن ہی سے نادرات اور عجائبات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ کیسا ہی دل پسند کھلونا بچے کو لا کر دو یہ اس سے کھیلنے کے بجائے

اسے توڑ پھوڑ کر جوڑ اور بند ملاحظہ کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور عمر بھر نئی معلومات اور تحقیقات کے درپے رہتا ہے اور اسی شوق میں بہت سی فضول چیزوں کو دیکھتا اور بے کار کتابوں کی ورق گردانی میں اپنی عمر عزیز کا نہایت قیمتی حصّہ ضائع کر دیتا ہے مگر تسکین قلب پھر بھی میسر نہیں ہوتی اسی بے چینی کو دیکھتے ہوئے اس کے پیدا کرنے والے نے اپنے کلام کے پارہ ۱۳ سورت ۱۳ آیت ۲۸ میں فرمایا ہے "اے میرے بندو! خبردار ہو جاؤ کہ روح کو تسکین اور دلوں کو اطمینان اللہ کے قرآن کے ذریعہ سے ہی تم کو نصیب ہو گا۔ (یعنی اس قرآن میں اولاد آدم کے لئے تمام روحانی او قلبی امراض کا شافی علاج بھی موجود ہے۔ اور دنیوی ترقیات کے لئے کار آمد تدابیر کائنات کی تحقیقات اور عجائبات کے پوشیدہ ایمان افروز اشارے سبھی کچھ قرآن میں سے مل جائیں گے۔

دنیا میں مثل مشہور ہے کہ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن تو بادشاہوں کے بادشاہ اور کائنات کی عجائبات کے خالق اور خود انسان کے پیدا کرنے والے خدائے علیم و حکیم کا کلام ہے اس کی باریکیوں میں غور کرتے وقت تو انسان دنیا اور ما فیہا کو بھول

جاتا ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے وقت کوئی مستند عربی لغات پاس رکھی جائے اور جس لفظ کی تحقیق کرنی ہو تو لغات میں دیکھا جائے مزید اطمینان کے ۔لیے اس لفظ کے اور جتنے مشتقات ہوں۔سب کے معانی کا مقابلہ کر لیا جائے ۔مطلب حل ہو جائے گا۔مثلاً ایک لفظ عِلم ہے اس کے مادّے یا مُروٹ سے جو جو الفاظ بنے ہوں سب کو دیکھ لیا جائے مثلاً عِلمُ سے علوم، عالم۔علیم ۔علّام ۔تَعلُم ۔تعلیم ۔متعلم ۔عَلَم ۔مُعلِمُ ۔علامت ۔معلوم وغیرہ اور یوں تو عام طور سے جس لفظ کو دیکھنا ہو اسی ایک جگہ سے اس کے معنیٰ مل جاتے ہیں۔

جس طرح کسی ملک۔ میں رہتے ہوئے وہاں کی حکومت کے قوانین پر چلنا لازم ہوتا ہے۔اس طرح اللہ کی سرزمین پر رہتے ہوئے اللہ کے احکام پر عمل کرنا بھی بے حد ضروری ہے ۔کسی حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سے تو لوگ اس لئے محتاط رہتے ہیں کہ فوراً سزا مل جاتی ہے ۔اگر خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے اس لئے خطرہ نہیں کہ خدا کی طرف سے سزائیں جلدی نہیں ملا کرتیں ۔مگر یہ خیال غلط ہے ۔دیر یا سویر قدرت کی طرف اس دنیا

میں بھی سزائیں ملتی ضرور ہیں۔ آج کے مسلمان اگر قرآن کے احکام پر عمل نہیں کر رہے تو کیا سمجھا جائے گا کہ ان کو سزا انہیں مل رہی! اس سے زیادہ سزا کیا ہو گی کہ دنیا میں سب سے اونچا رتبہ پا کر اب ترقی یافتہ قوموں کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ دنیا کو امن کا پیغام دینے والے دنیا میں ہر جگہ غمزدہ اور بے چین ہیں۔ باقی رہیں وہ قومیں کہ جن کی خوش نصیبی کا یہیں سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ وہ دنیا کی دوسری قوموں کی قسمت کی مالک ہو رہی ہیں اگرچہ خدائی احکام کی پابندی سے وہ بھی آزاد ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ ترقی کے آسمان پر پہنچی جا رہی ہیں۔ تو کیا سمجھا جائے کہ وہ حقیقت میں بہت خوش و خرم ہیں۔ ان کو وہ سب کچھ حاصل ہو گیا۔ جس کی دنیا میں ضرورت ہے جواب یہ ہے کہ اور جو کچھ بھی مل گیا ہو مگر ایک چیز کے لیے تو ان کے فلاسفر لکھتے لکھتے تھک گئے کہ "دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے مگر ایک چیز جس کو اطمینان قلب کہا جاتا ہے نہیں ملتی" خود کو محفوظ اور دشمن کو زیر کرنے کے لیے زبردست سے زبردست ہائیڈروجن بم تیار کر کے رکھ لئے مگر کیا حاصل جب کہ یہ معلوم ہے کہ دشمن کے پاس اس سے بھی بڑے بم موجود ہیں (یہ ہے انسانی عقل کا عروج)

توجب یہ سب کچھ دیکھ لیا۔ کیا اب بھی اولاد آدم اپنے پیدا کرنیوالے زمین آسمان کے حاکم خدا کے احکام پر عمل کرنے کا ارادہ نہ کرے گی ؟ بہ چار و ناچار کرنا ہو گا اور اس کے لئے خدائی احکام اور قوانین کے منشور یعنی قرآن کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ وہ دن گئے کہ جب یہ کہہ کر قرآن سے لاپروائی جائز سمجھی جاتی تھی" قرآن کی تعلیم تلوار کے زور سے پھیلائی گئی ہے" (یہ تعلیم خود ہی دلوں میں اتر جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے حاصل کرنے کا حق ادا کیا جا سکے اور وہ ہے قرآن پاک کے ایک ایک حرف کو غور سے پڑھنا اور پڑھتے رہنا۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے اور اس کو کل نوعِ انسان کے لئے مکمل قانون اور ضابطۂ حیات بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے لئے قرآن کے پارہ ٦ سورت ۴ آیت ۱۷۵ میں فرمایا ہے " اے لوگو! تم سب کے واسطے تمہارے رب کی طرف سے یہ کتاب ہر چیز کا کھلا بیان لے کر آگئی ہے۔ (یاد رکھو کہ اس کتاب کے ذریعہ سے) ہم نے اپنا نور ظاہر طو سے تمہارے پاس بھیجدیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے اپنی رحمت کے سائے میں لے لیگا۔ اور ان کو ہر کام صحیح طور سے کرنا سکھا دیگا"

پھر پارہ ۲۷ سورت ۵۶ آیات ۷۵ - ۷۷ - ۸۰ - ۸۱ نیز ۹۴ میں فرمایا ستاروں
اور ستاروں کے موقعوں اور راستوں کی قسم ہماری اس کتاب کا نام قرآن حکیم
ہے جس کو تمام جہانوں کے خدا نے نازل کیا ہے تو کیا تم لوگ ایسی کتاب
سے بھی لاپروائی کرتے ہو!! کیا تم کو یہی سوجھتا ہے کہ اس پر یقین نہ کرو
(تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ) یہی ایک کتاب حقیقت میں یقین کے قابل ہے
(دیکھیئے! یہ ہے قرآن اور یہ ہے اس کے دنیا میں نازل کرنے والے
خدا کا فرمان) اب کون ہے کہ جو اس قرآن کے پیغامات کو ساری دنیا میں
پہنچائے کیونکہ سورہ یٰسین پارہ ۲۳ آیت ۷۰ میں اللہ تعالےٰ نے یہ حکم دیا ہے
کہ یہ قرآن اس لیئے ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کے ہر زندہ شخص کو ہدایت
کی جائے (اللہ غنی! کتنی زبردست ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے قرآن والوں
پر عائد کر دی ہے یعنی تمام دنیا میں قرآنی تعلیمات کو پھیلانا!! اور آج حالت
یہ ہے کہ عام طور سے افراد قوم خود بھی قرآن کے مطالب پر عبور نہیں رکھتے عذر
یہ ہے کہ اول تو قرآن پر غور و خوض کرنے کی فرصت نہیں۔ اگر سرسری
پڑھ بھی لیتے ہیں تو پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔" مگر ان معذوریوں کے
بیان سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔ یہ سب باتیں ایمان اور یقین کی کمی کو

ظاہر کر رہی ہیں۔ ورنہ جس چیز کے بارے میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کے لئے فائدہ مند ہے۔ تو اس کے حصول کے لئے جدوجہد میں مشغول رہتا ہے اور جب حاصل ہو جائے تو پھر اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور چونکہ ہمارے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان خدا کو معلوم ہے کہ ہدایت سے بڑھ کر اور کوئی چیز انسان کے لئے مفید اور ضروری نہیں ہے اس لئے غافل انسانوں کو وقتاً فوقتاً خود ہی اس کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ پارہ ۹ سورت، آیت ۱۷۱ میں یہودیوں کے بارے میں جو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ "جب یہودی توریت کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے عہد لینے کے لئے ان کی بستیوں پر (جو طور یعنی پہاڑ کے دامن میں آباد تھیں زلزلہ کے ایک ہی جھٹکے سے) طور کو جھکا دیا جیسے کہ سائبان۔ یہ دیکھ کر یہودیوں کو خیال ہوا کہ وہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا اور وہ چلائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبیؑ کی معرفت فرمایا کہ اگر بچنا چاہتے ہو تو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسکو پوری توجہ سے پکڑو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے پڑھ کر عمل کرو۔"

(اس واقعہ کے ذکر سے یہ مقصد ہے کہ جب توریت کی طرف

یہودیوں کو متوجہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسی سزا مقرر کی تھی تو قرآن کریم سے غفلت برتنے والوں کے لئے کیا کچھ سزا نہ ہو گی۔ حالانکہ توریت، انجیل نازل ہو جانے کے بعد منسوخ ہو جانے والی تھی اس کے مقابلے میں قرآن مجید کو قیامت تک جاری رکھا جائے گا۔

لہٰذا بنظر غور سے دیکھا جائے تو یہودیوں سے سخت سزائیں آج مسلمانوں کو مل رہی ہیں۔ ان پر عذاب کا جو پہاڑ جھکایا گیا تھا۔ اس میں ...ان پر آگ برسی تھی نہ پتھر گرے تھے لیکن مسلمانوں پر جو آج چار طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ جھکے ہیں۔ ان میں سے ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہندو کے برسائے ہوئے لاکھوں بم ہمارے اوپر گرے اور آگ لگانے والے بموں نے جا بجا آگیں لگا دی تھیں اور اب مصر و عرب پر یہودی آگ اور بم برسا رہے ہیں اور پاکستان میں اگر اس وقت باہر سے کوئی حملہ نہیں ہو رہا تو آپس میں بھائی بھائی ہی ایک دوسرے کے گھروں کو آگ لگاتے اور ایک دوسرے پر اینٹ پتھر، گولیاں برساتے پھر رہے ہیں۔ اس کے لئے پارہ ۷ سورت ۶ آیت ۶۵ میں فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح سے بھی عذاب دے سکتا ہے کہ تمہارے اوپر سے عذاب آجائے، (جیسے کہ پتھر، گولیاں اور گولے) اور پاؤں کے

نیچے سے عذاب نکل آئے۔ (جیسے سیم، تھور، سیلاب) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپس میں پہلو بہ پہلو بسنے والے فرقہ فرقہ بن کر ایک دوسرے کو تکلیفیں پہنچانے لگیں۔ (جیسے کہ ۱۹۶۹ء میں پاکستان کے اندر ہو رہا ہے) کیا اب بھی سمجھ میں نہ آئے گا کہ یہ سب کچھ قرآن پاک سے غفلت برتنے کا نتیجہ ہے۔

الٰہ العالمین اب تو ہماری چشم بصیرت سے غفلت کے پردے دور ہو جائیں اور قرآن پاک کو دل کی اسی لگن کے ساتھ پڑھیں جیسے کہ پڑھنے کا حق ہے اور اس کے احکام پر دل وجان سے عمل کر کے دونوں جہاں کی نعمتوں کے حقدار بن جائیں۔ اگر ساری دنیا میں نہیں تو کم از کم اپنے حلقۂ اثر میں ہی تیرے کلام پاک کی صحیح تبلیغ کر کے تیرے مواخذے سے بچ سکیں اور اپنے شفیع برحق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ نہ ہوں۔ آمین یا رب العالمین۔

تتمۃ الکتاب

چونکہ راقم الحروف کی دلی تمنا ہے کہ یہ مختصر سی کتاب نہ صرف ہماری نئی نسلوں کے دلوں میں قرآن پاک کے مطالعہ کا شوق اور ولولہ پیدا کرے بلکہ ان اصحاب کی نظروں میں بھی شرف قبول حاصل کر سکے جو بفضل خدا قرآن مجید کو ہمیشہ جوش عقیدت سے پڑھتے رہتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ

ہی یہ نظریہ بھی رکھتے ہیں کہ پرانے بزرگ قرآن مجید کا جو ترجمہ یا تفسیر لکھ گئے ہیں۔ وہی درست ہے اس پر کچھ اور اضافہ کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے کیونکہ بزرگ ہم سے زیادہ قرآن مجید کو سمجھتے تھے بلکہ بعض حضرات کو تو یہاں تک یقین ہے کہ قرآن پاک کی مکمل تفسیر خود حضور سرور کائنات ؐ نے اپنے صحابہ رضؓ کو پوری طرح سمجھا دی تھی اور اب وہ تفسیر احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور طریق سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا ایک طرح سے بدعت ہے۔

پس اس نظریہ کے حامل حضرات کی تشفی خاطر کے لیئے نہ صرف قرآن مجید سے بلکہ احادیث مقدسہ سے بھی قرآن حکیم پر غور و فکر کرتے رہنے اور نئی تفاسیر لکھنے کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ انشا اللہ

وھو ھذا

صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ وہ پڑھتے وقت خوب غور سے قرآن میں اس کے عجائبات کو تلاش کیا کریں۔"

یہاں پر یہ نکتہ بہت ہی قابلِ غور ہے کہ اگر حضور اکرم صلعم خود ہی تمام قرآن مجید کی تفسیر بیان فرما دیتے تو پھر ہم لوگوں کو قرآن میں سے عجائبات تلاش کرنے کا حکم کیوں ہوتا۔ اس سے تو صاف ثابت ہو رہا ہے کہ متشابہ آیات کی نئی نئی تاویلیں سوچنا بدعت اور گناہ نہیں بلکہ عین ثواب ہے۔

ماحصل یہ کہ قرآن کے عجائبات قرآن ہی میں تلاش کئے جائیں احادیث میں نہیں اور اس تلاش و تجسّس کی ذمہ داری امت کے ہر فرد پر لازم، فرمادی اور قیامت تک کے لئے یہ حکم جاری رہے گا۔

اسی سے متعلق دوسری بہ صحیح حدیث اقدس یہ ہے کہ حضور خاتم النبین صلعم نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنی زبان مبارک سے یہ دعا دی کہ "یا اللہ اس لڑکے کو قرآن کی تفسیر اور تاویل کرنا سکھا دے" چنانچہ اس دعا کا شرف حاصل کر کے حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ "قرآنی مطالب سمجھنے کے لئے میرا ذہن کھلتا جا رہا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ اس دعا کی برکت سے مجھ کو "راسخون فی العلم" لوگوں میں سے ایک بنا دے" جن کا یہ درجہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوائے قرآن کی آیات متشابہات کی تاویل کو سمجھا کریں گے جن کا بیان اوّل آچکا ہے۔

اس حدیث مبارک سے بھی یہی حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ حضور پرنور ؐ نے حضرت ابن عباس ؓ کو خود اپنی زبان مبارک سے قرآن مجید کی تفسیر و تاویل بتلانے کے بجائے یہ دعا فرمائی کہ وہ اپنے طور پر خود بخود قرآن کی باریکیوں کو سمجھا کریں۔

المختصر یہ تو صرف دو احادیث مقدسہ کے اشارے ہیں۔ باقی رہیں قرآن فہمی کے لئے وہ تاکیدیں کہ جو خود اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہیں ان کا تو شمار کرنا بھی مشکل ہے، انہیں سے چند ایک کے حوالے کتاب ہٰذا کے گزشتہ اوراق میں دیئے جا چکے ہیں۔

یہاں تک تو اللہ تعالےٰ نے پارہ ۲۶ سورت ۴۷ آیت ۲۴ میں فرما دیا کہ تم لوگ قرآن کی باریکیوں پر غور کیوں نہیں کرتے کیا دلوں پر قفل لگ گئے ہیں ؟" اس سرزنش کو پڑھ کر تو ہر اہل ایمان کا دل کانپ جانا چاہیئے ۔ لیکن اسی ضمن میں یہ جتا دینا بھی ضروری ہے کہ جہاں قرآن مجید کی باریکیاں سمجھنے کے واسطے ہمیشہ کے لیۓ اس قدر تاکید ہے ۔ وہاں آج سے چودہ سو سال پیشتر جبکہ قرآن پاک نازل کیا جارہا تھا اس وقت ان ہی باریکیوں پر غور کرنے اور آیات متشابہات کی تاویل کرنے

سے بالکل منع فرمادیا تھا۔ پارہ ۳ سورت ۳ آیت ۷ میں تو یہاں تک فرمادیا تھا جن لوگوں کے دلوں میں قرآن کی طرف سے کھوٹ اور برائی ہے وہ دین میں فتنہ پھیلانے کی غرض سے سب سے پہلے آیاتِ متشابہات کی ..
پیچیدگیوں کی تاویل کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں" (مطلب یہ تھا کہ ان کی تاویل میں ابھی جلدی نہ کرنا چاہیئے

اور پارہ ۳ سورت ۳ آیت ۱۰۱ میں اور بھی زیادہ تفصیل سے یہ ارشاد فرما کر تو قطعی منع فرمادیا کہ "اے ایمان والو تم (قرآنی آیات کی پیچیدہ) اشیا اور معاملات کو (اپنے رسولؐ سے) نہ پوچھا کرو جس حالت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے کہ اگر یہ باتیں تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو اس سے (فائدہ کے بجائے) نقصان پہنچے گا۔"

مذکورہ بالا آیت میں نقصان کے معنی ہیں جو لفظ آیت کے اندر ہے وہ تَسُؤکُم ہے اس کے ایک معنی ہیں نگاہوں کا پوری طرح دیکھ نہ سکنا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متشابہ آیات کے راز اگر ابھی تم کو بتا دیئے جائیں تو تمہاری سمجھ میں نہ آ سکیں گے۔ اس لئے کہ متشابہ آیات میں تو چودہ سو سال یا اس سے بھی زیادہ بعد کی سائنسی تحقیقات اور ایجادات

کی پیشن گوئیاں ہیں۔

دوسری جگہ یعنی پارہ اول سورت ۲ آیت ۱۰۸-۱۰۹ میں فرمایا "اے مسلمانوں! کیا تم بھی اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرنا چاہتے ہو جیسے کہ موسیٰ سے (ان کی نافرمان قوم نے) کیے تھے۔ یہودی تو حسد کی وجہ سے ہی چاہتے ہیں کہ تم کو اسلام سے برگشتہ کر کے کافر بنا ڈالیں"

اب فرمائیے کہ اوپر کی آیات کے نازل ہو جانے کے بعد کس مسلمان کو یہ جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ رسول پاک سے قرآن کی پیچیدہ اور متشابہ آیات کے بارے میں کچھ پوچھتا اور نہ حضور صلعم خود ہی غیر ضروری باتیں ان کو بتا سکتے تھے جبکہ پارہ ۲۹ سورت ۷۵، آیات ۱۶، ۱۷، ۱۹ میں خود حضور کو اللہ تعالےٰ نے یہ فرما دیا تھا۔ مفہوم یہ ہے کہ "اے رسول تم قرآن کے کسی معاملے میں جلدی نہ کرو۔ اس کا جمع کرنا اور اس کے تمام مطالب کو بیان کرنا اور وقتاً فوقتاً لوگوں کو سمجھاتے رہنا ہمارا اپنا ذمہ ہے

پس جب اللہ تعالیٰ نے ہی یہ فرما دیا تو رسول پاک اس کے خلاف نعوذ باللہ کس طرح کر سکتے تھے کہ وہ پیچیدگیاں اُن سادہ دل لوگوں کو سمجھانا شروع کر دیتے کہ جن کا اُس زمانے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بالکل اسی طرح کہ

ایک بچے کو جب دین کے مسائل سمجھائے جاتے ہیں تو ان باریکیوں کو اس پر واضح نہیں کرتے کہ جن مسائل کی اس کو جوان ہو کر ضرورت پڑے گی۔ اسی طرح جس بچے کو ڈاکٹری کی تعلیم شروع کراتے ہیں تو ابتدا میں اس کو بلاضرورت سرجری کی پیچیدگیوں میں نہیں الجھا دیتے۔

پس ایسی ہی وجوہات کی بنا پر حضور نے آیات متشابہات کو خود سمجھانے کے بجائے امت کو ان کے سمجھنے کی تاکید فرما دی اور حضرت ابن عباس رضؓ کے نام سے کل اُمت کو قرآن کی تفسیر و تاویل سمجھ سکنے کی دعا بھی دے دی، تاکہ ان آیات کو امت ہمیشہ ہمیش اچھوتا نہ رہنے دے اس لئے کہ اگر ان آیات کو بے سمجھے سمجھانے کے بغیر یونہی اچھوتا رکھنا مقصود تھا تو پھر ان کو دنیا میں نازل ہی نہ کیا جاتا۔

یہ آیات تو جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قرآن کے معجزہ جاریہ ہیں جو قیامت تک قرآن کی صداقت کا معیار بنتی رہیں گی۔

پارہ ۱۱، سورت ۱۰، آیت ۲۰ میں جو فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے منکر لوگ کہتے ہیں کہ "محمدؐ پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا"۔ تو اس کے جواب میں کہدے کہ یہ معاملہ آئندہ زمانے یعنی

غیب سے متعلق ہے۔ جس کا علم اللہ کو ہے (کہ وہ میرے معجزات کو کب ظاہر کرے گا) فی الحال تو تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں"۔

پس وہ معجزے اسی قسم کی پیشین گوئیاں ہیں جو اس کتاب میں لکھی گئی ہیں اور یہ جو بعض معترض اصحاب کہدیتے ہیں کہ "اس سے کیا فائدہ! کہ جب کوئی ایجاد دنیا میں ہو جائے تو کہدیا جائے کہ قرآن میں بھی یہی لکھا ہے۔ بات تو جب ہے کہ ایجاد سے پہلے بتایا جائے"۔ سو اول تو بمضمون آیت محولہ بالا۔ غیب کا علم اللہ کو ہے کہ کب، کیا اور کسطرح ہونے والا ہے۔ البتہ جب وہ ایجاد معرض وجود میں آجاتی ہے تو اس وقت اس ایجاد کی تطبیق قرآن کی آیات سے کرنا ناواجب نہ ہوگا۔ بلکہ یہ بات تو اولادِ آدم کی آنکھیں کھولنے والی ثابت ہوگی کہ ایسی بھی کوئی کتاب دنیا میں موجود ہے کہ جس میں ہزاروں سال پہلے سے اس کی پیشین گوئی لکھی ہوئی ہے اور اگر ایسی کتاب ہے تو وہ بے شک کائنات کے پیدا کرنے والے خدا کی ہوسکتی ہے ورنہ کسی انسان کو تو چند دن پہلے بھی کسی وقوعے کا علم نہیں ہوسکتا۔

اور یوں تو اس ہیچ مداں عاجزہ نے بہت سی آیات اس زیر نظر کتاب میں ایسی بھی درج کی ہیں کہ جن کی پیشین گوئیوں کا اظہار کسی آئندہ زمانے میں ہونے والا ہے۔ کب اور کہاں ہوگا؟ واللہ اعلم بالصواب۔

مگر عرض ہے ——— مذکورہ بالا دلائل بھی اگر کسی دل کو مطمئن نہ کر سکیں تو حرف آخر یہ ہے کہ اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ کائنات کی ہر شئے زوال پذیر ہے سوائے لایزال خدائے قدوس کی ذات کے۔

اسی طرح دنیا میں ہر نظریہ اور ہر تحریر بدل سکتی ہے۔ سوائے لایزال **خدا کے کلام قرآن مجید کے**۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ سب ہی آسمانی کتابوں کو اللہ کا کلام کہا جاتا تھا، وہ کیوں بدل گئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کتابیں فرداً فرداً ایک ایک قوم کے لئے ایک محدود زمانے تک کے واسطے نازل ہوتی تھیں اور ہر پہلی کتاب دوسری کے آجانے کے بعد منسوخ ہو جاتی تھی۔ مگر قرآن کے بعد چودہ سو سال سے آج تک کوئی کتاب نازل ہوئی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس میں کل اولادِ آدم کے لئے قیامت تک کے واسطے ہر قسم کے احکام اور ہدایات نازل کر دی گئی ہیں۔ اسی لئے خدا نے فرمایا کہ قرآن کو ہم نے

اس لئے نازل کیا ہے کہ اب اس کی حفاظت ہم خود کریں گے۔ چنانچہ (جیسا
کہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے) قرآن کی حفاظت بڑے
عجیب وغریب انداز سے کی جارہی ہے جس سے لافانی خدا کے کلام کا لافانی
ہونا دنیا بھر میں ثابت ہوچکا ہے۔ لیکن قرآن کی کیا چیز لافانی ہے؟ اس کا
وہ عربی متن وہ ۶۲۳۶ آیات کہ جو حضور خاتم النبیین صلعم پر کامل ۲۳ برس
تک ایک ایک کرکے نازل ہوتی رہی تھیں۔ باقی رہے ان آیات کے ترجمے اور
تفسیریں۔ ان میں سے کسی کو لافانی ہونے کا درجہ حاصل نہیں ہے کیونکہ ان کو
انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق لکھا ہے گو وہ لکھنے والے بڑے نیک
دل اور قابلِ بزرگ تھے جنھوں نے قوم کی لاعلمی کو علم کی روشنی سے منور کیا اور
خلوص نیت اور ایمانداری سے بہت کچھ لکھا مگر پھر بھی ان کی تحریریں قرآن
پاک کے اصل متن کی طرح لازوال نہیں ہیں کہ جن کو ماننے پر امت ہمیشہ
کے لیے مجبور ہو۔ اسی کے لئے اللہ تعالیٰ پارہ اول سورت ۲۔ آیت ۱۳۴
میں فرمارہے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے "وہ (نیک لوگوں کا) ایک گروہ تھا جو گزر گیا
انھوں نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ دار وہ تھے اور تم جو کچھ کرو گے اس کے ذمہ دار تم
ہو گے۔ یاد رکھو کہ ان کے اعمال کے متعلق تم سے کبھی نہ پوچھا جائے گا۔"
پس اگر یہی منشائے ربّی ہے تو پھر موجودہ نسلیں بزرگوں کے ترجموں اور

تفسیروں کی کیوں پابند ہوں ؟ بزرگ اپنے خیالات کے پابند تھے۔ ہم اپنے نظریوں کے جوابدہ۔ ہم تو فقط قرآن مجید کے عربی کلمات پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہیں۔ نہ کہ پرانے لکھے ہوئے ترجموں پر، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآنی الفاظ کا ترجمہ تو کسی حالت میں بھی محدود نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ دنیا کی دوسری تمام زبانوں کے مقابلے میں عربی زبان یہ خصوصیت رکھتی ہے۔ کہ اس کے ایک۔ ایک لفظ کے عموماً کئی کئی معنی ہوتے ہیں جو اس کی ڈکشنری دیکھنے سے واضح ہو سکتے ہیں۔ بلکہ حیرت ہوتی ہے کہ بعض الفاظ کے معنی تو ایک دوسرے سے بالکل متضاد بھی ہوتے ہیں کہ جن کو لُغتِ اضداد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ہر لفظ کے جو عموماً کئی کئی معنی ہوتے ہیں وہ لامحالہ اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہوتے ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ ایک شخص قرآن مجید کا ترجمہ لکھنے لگا تو ظاہر ہے کہ جن الفاظ کے کئی کئی معنی ہیں ان سب کو وہ لکھنے سے رہا۔ یہی ہو گا کہ اپنی تجویز سے ان میں سے کوئی ایک معنی ہی لکھے گا جب کہ ایک دوسرا ترجمہ لکھنے والا شخص بھی انہی الفاظ کے تمام معانی میں سے کوئی دوسرے معنی اپنی پسند سے لکھ دیگا۔ اور ظاہر ہے کہ

لغت کی رو سے دونوں کے ترجمے اپنی اپنی جگہ صحیح ہوں گے مگر ہمارے لوگوں کی کچھ ایسی عادت ہو چکی ہے کہ پرانے زمانے کے لکھے ہوئے تراجم و تفاسیر کو تو صحیح مانیں گے اور نئے کو لغت کی کتابوں سے تحقیق کئے بغیر ہی غلط بلکہ بدعت اور ناجائز کہنے لگتے ہیں۔ خصوصاً ان تراجم و تفاسیر کو جن میں موجودہ زمانے کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہو۔ تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر سابقہ لکھی ہوئی شان نزول کے خلاف ہے اس لئے ناقابل تسلیم ہے۔

حالانکہ اللہ تعالےٰ کے فرمان کے بموجب قرآن کی آیات تو قیامت کے زمانے تک کے حالات پر حاوی ہیں جس کا اشارہ قرآن پاک میں جابجا ملتا ہے۔ جیسے کہ پارہ ۱۳ سورت ۱۳، آیات ۳۸ اور ۴۰ میں فرمایا ہے لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ.... نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ۝ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر زمانے کے حسب حال قرآن میں سب کچھ لکھا ہوا ہے، اور جن جن واقعات کا وعدہ اس میں ہم نے لوگوں سے کیا ہوا ہے، خواہ ان میں سے کچھ اے رسولؐ ہم آپکو بھی دکھا دیں یا (ان کے ظہور سے پہلے) آپ کو

وفات دیدیں (یہ آپ کا ذمہ نہیں) آپ کے ذمے تو صرف ہمارے پیغامات لوگوں کو پہنچانا ہے۔ باقی سب حساب تو ہمارے ذمے ہے"۔

(کیا یہاں پر صاف نہیں فرمایا کہ قرآن کی پیشن گوئیاں حضور صلعم کی دنیوی زندگی کے بعد دکھائی جائیں گی۔ لیکن آج کے مسلمان کسی طرح اس کے قائل ہی نہیں ہوتے کہ موجودہ زمانے میں جو جو ایجادات اور تحقیقات کی جارہی ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کے لئے پیشن گوئیاں موجود ہیں اور انہی کو اللہ تعالےٰ نے رسولؐ پاک کے معجزے فرمایا ہے۔ جس کا ذکر آچکا ہے۔ کاش کہ قوم کے ذی علم اصحاب اس حقیقت کا احساس کرتے ہوئے قرآن میں سے ان حیرت انگیز اشاروں کو خود ڈھونڈ کر نکالتے اور دنیا میں ان کی تبلیغ و اشاعت کرتے (جیسا کہ خدا اور رسولؐ خدا دونوں کی تاکید ہے)

اگر ایسا ہوتا تو ہماری قرآن سے بیگانہ نئی نسلیں بھی فیضیاب ہوتیں اور دنیا کی دوسری اقوام بھی قرآن حکیم کی معجزانہ صداقت کی قائل ہو جاتیں مگر کیا کہا جائے۔ ہماری اپنی قوم کی محرومیٔ قسمت بلکہ شامت اعمال ہمارے آڑے آجاتی ہے کہ جس سے ہمارے ذی علم اصحاب اتنے ضروری

اور اہم فریضے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یا اگر کچھ ہوتے بھی ہوں گے تو ہماری روایتی رکاوٹیں ان کے اس راستے میں بھی حائل ہو جاتی ہوں گی جیسی کہ اور بہت سے معاملات کے دوران دیکھنے میں آرہا ہے۔ یہ تو ہے ہی مسلمانوں کی قومی زندگی کی بنیادی ضرورت۔

مشاہدے کی بات ہے کہ قرآن مجید کے پرانے ترجموں اور قدیم شانِ نزول کو پڑھتے ہوئے موجودہ زمانے کے لوگ یہ محسوس کر نہیں سکتے کہ قرآن کی کوئی آیت ہمارے اپنے واسطے یا ہمارے ماحول کے لئے بھی نازل ہوئی ہے۔ پارہ ۱۴، سورت ۱۶، آیت ۱۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت سے تو یہ فرمایا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۵ مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے راستے کی طرف لوگوں کو بڑی حکمتوں اور عمدہ اور طرح طرح کی موثر نصیحتوں کے ذریعہ بلاؤ۔ نہ یہ کہ کسی نئی چیز کا قرآن کے سمجھنے سمجھانے میں دخل ہی نہ ہو پہلے لوگ قرآن کو جسطرح سمجھ گئے۔ اب جو کچھ سوچنا ہو تو انہی کے دل و دماغ سے سوچا جائے۔ ترجمہ کرنا ہو تو انہی لوگوں کے ترجمے کی کاپی کی جائے۔

قرآن کی دعویدار اور ذمہ دار قوم کی اسی اندوہناک حالت کی خبر تو

عالم الغیب نے چودہ سو سال پہلے سے دے رکھی ہے۔ پارہ ۱۸۔ سورۃ ۲۵۔ آیت ۳۰ میں فرما رہے ہیں۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ہ "رسول کہیں گے اے میرے خدا بے شک میری قوم نے اس قرآن کو مہجور بنا دیا ہے۔"

آیئے دیکھیں کہ "مہجور" کے معنی کیا ہیں۔ لغات کی کتاب میں اسکے دو معنی خاص نظر آئے۔ مہجور معنی وہ چیز یا مقام کہ جس کو چھوڑ کر چلے جائیں یہ لفظ "ہجرت" سے مشتق ہے۔ دوسرے معنی اور بڑے عجیب معنی یہ کہ "وہ زندہ ہستی کہ جس کو رسیوں کے ساتھ ناواجب طور سے ایسا جکڑ دیا جائے کہ وہ جگہ سے ہل نہ سکے۔"

مہجور کے پہلے معنی یعنی چھوڑا ہوا تو آج مسلمانوں کی عام حالت دیکھ کر تو یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے نعوذ باللہ قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن نہیں۔ اس حالت میں بھی بفضل خدا ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں کہ جو قرآن کے نام پر فدا ہیں اور اس کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔

البتہ ان معنوں کی مصداق بدقسمتی سے ہماری نئی نسلیں عام طور سے ضرور ہو گئی ہیں۔ جن کا یہ نظریہ ہو گیا ہے کہ "کسی زمانے میں قرآن

پاک بیشک سب کچھ تھا۔ مگر آج کے بے حد ترقیاتی دور کے تقاضوں کو یہ چودہ سو سالہ کتاب پورا نہیں کر سکتی۔ (عیاذاً باللہ)

یہی نظریہ تو ہے کہ آج کی نسلیں بھولے سے بھی قرآن کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں اِلّا ماشاءَ اللہ لیکن سب سے زیادہ حسرتناک یہ سانحہ ہے کہ لفظ مہجور کے دوسرے معنی یعنی جکڑ کر ڈال دینے کی مصداق نہ نئی نسلیں ہیں نہ کوئی غیر اور اجنبی افراد ہیں بلکہ یہ وہی پرانے خیال کے پرانے وفادارانِ قرآن ہیں کہ جو بے حد تعظیم و تکریم کرتے ہوئے بھی قرآن کا حق کماحقہٗ ادا نہیں کر رہے۔ درحقیقت انہی لوگوں نے قرآن کو پرانے خیال کی رسیوں سے جکڑ کر ڈال دیا ہے اور اس پر بھی نہایت استقلال سے اس خیال پر قائم ہیں کہ خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، آسمان گردش کر کے کہیں سے کہیں چلا جائے مگر قرآنی الفاظ کے معنی وہی برقرار رہیں گے جو آج سے صدیوں پہلے کے لوگ لکھ گئے اور کسی نئی تفسیرِ قرآن کی ضرورت نہیں ہے بس وہی پرانی لکھی ہوئی شانِ نزول پڑھی جائیگی کہ جس سے پتہ چلے گا کہ کونسی آیت کس صحابیؓ کی شان میں نازل ہوئی تھی، اور کون کونسی آیات ابوجہل کافر اور ابولہب دشمن کی نشاندہی کر رہی ہیں خواہ

اُس شانِ نزول کو پڑھ کر آج کی نسلیں مایوس ہی کیوں نہ ہو جائیں کہ قرآن میں ہمارے اور ہمارے زمانے کے لئے کوئی آیت بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے پڑھنے سے ہم کو کیا فائدہ؟ اور اس قدامت پرستی کے سبب سے بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جن جن آیات میں قیامت کے زمانے تک کیلئے اشارات پوشیدہ رکھے ہیں۔ وہ آیات جوں کی توں سربمہر رہ جائیں گی کہ خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت سے جن کے اندر آج کل کے لوگوں کو سمجھانے کیلئے اشارے لکھے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ لفظ مہجور پر غور کرنے سے تو روح کانپنے لگتی ہے اس خیال اور تصوّر سے کہ ہم گنہگاروں نے اپنے رحمت عالم شافع محشر آقاؐ کو رنج پہنچایا اور قرآن پاک سے ناواجب سلوک کو روا رکھا۔ اب ہم اللہ کو اور اس کے حبیبؐ پاک کو کیا منہ دکھائیں گے۔

مگر پرانے ترجموں کے حامی لوگ اب بھی مطمئن ہیں۔ کیونکہ ان ترجموں میں لکھا ہے کہ مذکورہ آیت میں "قومی" کا لفظ حضورؐ نے اپنی سابقہ قوم قریش کے لئے فرمایا ہے۔"

افسوس تو اس بات کا ہے کہ معاملات کی تہ کو پہنچے بغیر ایسے الفاظ

لکھ دیئے جاتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ حضور پر نورؐ کو علم ہے کہ اللہ تعالے نے حضرت نوحؑ کو ان کے غرق ہونے والے بیٹے کے بارے میں یہ فرمادیا تھا۔ "یَا نُوحُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۝ (یعنی اے نوح تم اپنے غرق ہونے والے بیٹے کے لئے ہم سے کوئی سفارش نہ کرو، ہم اس کو تمہارے اہل میں سے نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس کے اعمال نیک نہیں تھے"۔ (تو جب بداعمال بیٹے کو بھی اپنا اہل کہنے پر تنبیہہ آگئی۔ تو حضور صلعم قریش کے کافر اور منکر لوگوں کو میری قوم کیوں فرماتے عزیزو! یہ شکایت تو ہم کم نصیبوں ہی سے ہے۔

سابقہ تراجم اور تفاسیر کے متعلق اتنا اور سُن لیجئے کہ اگر اہل عرب بزرگوں نے عربی زبان میں بھی لکھدیا ہے تو پھر بھی وہ تحریریں (عربی میں ہونیکی وجہ سے) کلام الٰہی کے متن یعنی اصل عبارت کی طرح لازوال نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالے نے صرف اپنے کلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، کسی اور کی تحریر کا نہیں حتیٰ کہ توریت اور انجیل کی حفاظت بھی قرآن کی طرح نہیں ہوئی ورنہ کسی کی کیا مجال ہوتی کہ ان میں تحریف کرسکتا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان سابقہ آسمانی کتابوں کے بعد قرآن کی صورت

ایک آخری کتاب انسانوں کے لیے مکمل ضابطۂ حیات بنا کر دنیا میں ہمیشہ کے لیے نازل کی جانے والی تھی۔

عرب کے یہودیوں نے جب یہ محسوس کیا کہ قرآن کی تعلیم تو دنیا کی کایا پلٹتی جا رہی ہے تو انھوں نے اپنی جبلت سے مجبور ہو کر قرآن کو بدلنے کے لیے نقلی آیات لکھنا شروع کر دیں۔ یا یہ کیا کہ قرآنی الفاظ تو بجنسہٖ رہنے دیے مگر ان کے اعراب بدل کر کچھ سے کچھ معنی بنا دیے مثلاً ایک سہ حرفی لفظ ہے "کنت"۔ اس کی "ت" پر زبر دینے سے واحد حاضر مذکر کی ضمیر بن جاتی ہے اس کے نیچے زیر لگانے سے واحد حاضر مونث کی ضمیر اور پیش لگا دینے سے واحد متکلم کی ضمیر بن جاتی ہے لہٰذا یہودیوں نے قرآن کی تحریف کرنے یعنی اس کے اعراب یا حروف کو بدل دینے کو آسان سمجھ کر شروع زمانۂ اسلام سے ہی اس کے لیے سر توڑ کوششیں شروع کر دی تھیں اور اب تک کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مثلاً حال ہی میں بحوالہ اخبارات خصوصاً روزنامہ "جنگ" کراچی مورخہ ۸ر جون ۱۹۶۹ء سے معلوم ہوا ہے کہ "اسرائیل" نے قرآن مجید کی تحریف کرا کے لاکھوں کی تعداد میں چھپوائے اور دنیا بھر میں تقسیم کرائے ہیں۔ "بھارت" کی وزیر اعظم اندرا گاندھی بھی اس تحریف شدہ قرآن کو سب جگہ بھیج رہی ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی ایک نسخہ سرحدی گاندھی خان عبد الغفار کو کابل میں دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ نئے سرے سے اب یہ کوشش کیوں شروع ہو گئی؟ کیا اس لئے کہ یہودیوں کو یقین ہو گیا ہے کہ آج کا مسلمان قرآن سے بے خبر اور غافل ہو چکا ہے لہٰذا یہ داؤ چل جائے گا مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ قرآن کے خدائی چوکیدار یعنی "حافظِ قرآن" مسلمان بفضل خدا دنیا کے ہر حصے میں موجود ہیں جن کو قرآن کے تمام

زیر و زبر زبانی یاد ہیں اور حافظ دو چار نہیں بلکہ ماشاء اللہ ہر زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہوتے ہیں جو بحکم خدا یہودیوں کی اس "ناپاک سازش" کو ملیا میٹ کر دیں گے ۔ انشاء اللہ

اور یوں تو شروع زمانے ہی میں یہودیوں کو اس کا احساس ہو گیا تھا ۔ اسی لئے انھوں نے قرآن کا خیال چھوڑ کر احادیثِ مقدسہ میں فتور ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ فتور بھی کیا کچھ!! لاکھوں کی تعداد میں بناوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلا دیں کہ اگر قرآن سے نہیں تو یہ صحیح احادیث کی تعلیم سے تو دنیا محروم ہو ہی جائے ۔

لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ان کو قرآن حکیم سے محروم کرنے کی بھی ایک بڑی انوکھی ترکیب سوجھ گئی ۔ وہ یہ کہ ایسی احادیث گھڑ کر انتہائی کوشش سے دنیا بھر میں مشہور کر دیں کہ کوئی شخص بغیر کسی مستند عالم کی مدد اور شاگردی کے اپنے طور پر قرآن کے معانی اور مطالب سمجھنے کی کوشش نہ کرے ورنہ سخت عذاب میں گرفتار ہوگا ۔

بھلا حکم امتناعی کی ایسی سخت "حدیث شریف" کے بعد اب کس مسلمان کی ایسی جرأت ہے کہ خود قرآن کو سمجھنے بیٹھ جائے لہٰذا نہ ہر شخص کو مستند عالم میسر آئے نہ قرآن سمجھا جائے ۔

اب چاہے قرآن کے اندر اللہ تعالیٰ قرآن مجید پر غور کرنے کے لئے کتنا ہی حکم دے چکے ہوں اور نہ سمجھنے پر یہ فرما رہے ہوں کہ تم قرآن کو سمجھتے کیوں نہیں کیا تمہارے دلوں پر قفل لگ گئے ،،

مگر خدا کے یہ احکام تو اس وقت ہی مسلمان کو معلوم ہوں کہ جب وہ قرآن کو سمجھ کر پڑھتا رہے ، نہ اس طرح کہ گنہگار بن جانے کے خوف سے صرف تبرکاً قرآن

کی آیات حصولِ ثواب کے لئے زبان سے رٹتا رہے، اور معنی نہ سمجھے۔

غور کا مقام ہے کہ عیّار دشمن نے کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو قرآن اور صحیح حدیث دونوں سے محروم کر کے رکھ دیا اور ان کے بجائے ایسی دلفریب روایتیں گھڑ کر پیش کر دیں کہ جن سے دنیا اور عقبےٰ دونوں ہی بے محنت و تردد نہایت آسانی سے حاصل ہوتی نظر آنے لگیں۔ مثلاً ایک مرتبہ حج کر لینے سے عمر بھر کے گناہ معاف" بلکہ اس سے بھی آسان "شب برأت کی ایک رات جاگتے رہ کر سو نوافل پڑھ لینے سے اگر اُحد پہاڑ کی برابر بھی گناہوں کا انبار ہو تو وہ بھی معاف، یہاں تک کہ خواہ کوئی قتل بھی کیا ہو" اس سے بھی زیادہ سہل یہ کہ "جس کسی نے اپنی زبان سے ایک مرتبہ بھی کلمۂ طیبہ پڑھ لیا وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا"۔

عزیزو! یہ روایات نہیں، یہ تو مسلمانوں کو دائمی آرام کی نیند سلانے کے لئے، خواب آور گولیاں ہیں۔ کیا اب بھی مسلمانوں کی بے عملیوں پر کسی دردمند غم خوار کو آنسو بہانے کا حق پہنچ سکتا ہے؟

جن بناوٹی حدیثوں پر آج ہماری قوم کا ایمان اور عمل ہے ان کی اصلیت کی شہادت اسلامی تاریخ اور بزرگانِ دین کی تحریریں پیش کر رہی ہیں مثلاً امام الحدیث بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف کے دیباچے میں لکھا ہے کہ میری کتاب میں درج کرانے کے لئے لوگوں نے تقریباً سات لاکھ احادیث جمع کرائیں جن میں سے انتہائی تحقیق کے بعد مجھ کو صرف چھ ہزار احادیث صحیح نظر آئیں اور ان سے صحیح بخاری کو مرتب کیا۔

اتنی احادیث تو ایک بزرگ کے پاس جمع ہوئیں۔ ان کے علاوہ اور جو بہت سے احادیث جمع کرنے والے بزرگ ہو گزرے ہیں ان سب کی احادیث

کے ہوش رُبا اعداد و شمار کا حساب کون کر سکتا ہے۔ اور احادیث کا یہ طومار اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد گھڑا گیا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں (بہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ) ایک روز اپنی جمع کی ہوئی چار سو احادیث کو اپنے ہاتھ سے جلا دیا تھا اور دریافت کرنے پر فرمایا تھا کہ اے عائشہ یہ کام میں نے اپنے حبیب صلعم کے حکم کے مطابق کیا ہے کیونکہ حضور اکرم صلعم نے بھی لکھی ہوئی حدیثیں لوگوں سے لے کر خود اپنے مبارک ہاتھ سے آگ میں ڈال کر فرمایا تھا کہ" اے لوگو تمہارے لئے اللہ کا "قرآن" بس ہے۔ (بہ روایت صحیح بخاری و صحیح مسلم)

واضح رہے کہ جو احادیث حضرت صدیق اکبر رضؓ جیسے ہر وقت کے حاضر باش صحابی نے جلا ڈالیں ان سے بڑھ کر تو صحیح حدیثیں اور ہو ہی نہیں سکتیں کہ جن کو ہم ہزار سال سے سینے سے لگائے چلے آ رہے ہیں۔

اگرچہ قوم کے اکثر اہلِ بصیرت اس تلخ حقیقت سے واقف ہیں لیکن روئے زمین کے عام سادہ دل ستر کروڑ مسلمانوں کو اس حقیقت کا یقین کیسے دلایا جائے ان کی حالت تو عموماً یہ ہے کہ عربی زبان کی ہر عبارت ان کے لئے قابلِ تعظیم ہے خصوصاً جس کے شروع میں یہ لکھا ہوا ہو "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (فرمایا رسول صلعم نے) تب تو مسلمان کا دل فرطِ عقیدت سے جھومنے لگتا ہے۔ ان سے ہزار کہو کہ یہ حدیث تو قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے بناوٹی معلوم ہو رہی ہے۔ یہ سن کر تو وہ ایسے برافروختہ ہو جاتے ہیں کہ جیسے نعوذ باللہ ان سے قرآن مجید کی کسی آیت کا انکار کرایا جا رہا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مسلمان کا تو یہ فرض ہے کہ وہ حدیث کے نام کی تعظیم کرے اور اگر بفرضِ محال کسی نے کچھ غلط بیانی کی ہے تو در جہنم "دروغ برگردن راوی" (اب سمجھ میں آیا کہ یہ ضرب المثل ایسے ہی موقعوں کے لئے گھڑی گئی ہو گی)

کاش ان سراپا عقیدت لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ غلط حدیثیں بنانے والے تو مرنے کے بعد ہی داخل جہنم ہوئے ہوں گے مگر ان حدیثوں پر ایمان لا کر مسلمان تو جیتے جی قعر مذلت میں جا گرے ہیں۔ اس پر اکثر یہ جواب ملتا ہے کہ یہ سب کچھ تو ہزار سال سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اب اس کی بحث سے فائدہ؟

اور ایک طرح سے یہ صحیح بھی ہے کیونکہ مرض جب پرانا ہو جاتا ہے تو اس کی تکلیف کا احساس نہیں رہتا خواہ اندر ہی اندر جسم تباہ ہو جائے۔

مگر عقل کا تقاضا ہے کہ اس کا کوئی تدارک ہو لیکن ہو تا یہ آرہا ہے کہ جس طرح ناخدا ترس لوگ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے طرح طرح کے نامناسب دوائیں فروخت کر کے مریضوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔

اسی طرح اس روحانی مرض کو بھی بڑھایا گیا ہے یعنی اپنی ہی قوم کے خود غرض اور کم فہم لوگ انہی تباہ کن روایات کو کتابی شکل دے دے کر کروڑوں کی تعداد میں چھپوا کر دھڑا دھڑ قوم کے ہاتھوں فروخت کر رہے ہیں جس کی وجہ سے گھر گھر انہی روایات کا چرچا ہو کر دلوں میں جاگزیں ہو گیا ہے۔ ان روایتوں کی فضیلت بیان کرنے میں وہ وہ زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں کہ بھولے مسلمانوں کو ان روایتوں ہی کے اندر پورا دین اور اپنی نجات کا راستہ نظر آنے لگتا ہے کوئی ہے کہ جو ان غلط روایات کے گھڑنے والوں کو خوشخبری سنا دے کہ "تمہارا تیر عین نشانے پر لگ چکا ہے"

بعض انتہا پسند مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ احادیث کی صحت کا معیار قرآن مجید ہے۔ یعنی جو حدیث قرآنی حکم احکام سے مختلف کوئی اور نظریہ پیش کرتی ہو وہ

قابلِ قبول نہیں بلکہ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ حدیث ہی کے ذریعہ تو قرآن مانا گیا ہے ورنہ ہمارے پاس اور کیا ثبوت ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن تو اپنی دلیل آپ ہے اسکو کسی گواہی کی ضرورت نہیں۔ قرآنِ مجید کی پہلی وحی کی کیفیت تو سب ہی کو معلوم ہے کہ غارِ حرا میں ہیبتِ خداوندی سے حضور خاتم النبیینؐ کا جسمِ اطہر کانپ کانپ کر بخار چڑھ گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد بھی ہر وحی کے نزول کے وقت کم و بیش یہی کیفیت دیکھنے میں آتی رہی کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور سخت سے سخت سردی کے موسم میں بھی جسمِ مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتا اور جسمِ اطہر کئی حصہ زیادہ وزنی ہو جاتا تھا اور مجلس نبویؐ کے موجود الوقت تمام صحابہ یہ جلوے دیکھتے تھے اور لرز لرز جاتے تھے اور رجبِ وحی نازل ہو چکتی تو حضورؐ پھر معمول کے مطابق ہو جاتے اور حاضرین سے فرماتے کہ یہ یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ پھر خود بھی بار بار ان کو دہراتے اور تمام صحابہؓ بھی ان کو حفظ کرنا شروع کر دیتے اور یہ سب کچھ تھوڑے بہت عرصہ تک نہیں بلکہ کامل تیئیس سال تک متواتر رونما ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے تمام صحابہ اور صحابیات نے ان ۲۳ برسوں میں پورے قرآن کو حفظ کر لیا تھا حتیٰ کہ قرآن کی کتابت بھی حضورؐ نے اپنے سامنے مکمل کرا لی تھی اور یہی منشائے خداوندی تھا۔ تب تو اللہ تعالیٰ قرآن میں جابجا فرماتے ہیں" ذٰلِکَ الْکِتَابُ (یہ کتاب) تبھی تو حضورؐ روحی فداہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا تھا"تم لوگ میری جدائی کے خیال سے پریشان نہ ہو۔ میں تمہارے لئے اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں جو ان دو دفتیوں کے درمیان ہے"۔ اس فرمانے سے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کی جلد بندی بھی حضورؐ نے کرا لی تھی۔ یہاں پر مندرجہ بالا قرآنی آیت اور صحیح حدیث کے برخلاف ایک

بڑی مشہور روایت بھی سُن لیجیے وہ یہ کہ شروع نزول قرآن کے زمانے سے قرآنی آیات ایک صندوق میں اس طرح جمع کی جارہی تھیں کہ وحی نازل ہونے کے وقت جو چیز بھی مل گئی درخت کے پتے یا چھال، جانوروں کی ہڈیاں یا کھال اسی پر قرآن کی نازل شدہ آیت کو لکھ کر صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور چالیس بیالیس سال تک وہ چیزیں صندوق میں بند پڑی رہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کو اپنے دورِ خلافت میں قرآن کے جمع کرنے کا خیال آیا اور اس صندوق کو کھول کر تمام آیتوں کو باہر نکال کر کاغذ پر نقل کرایا۔ اب یہ کس کو معلوم کہ درختوں کے سوکھے پتے جانوروں کی ہڈیوں سے رگڑ کھا کر کیسے چورہ بن گئے ہوں گے۔ بہرحال یہ اس قرآن کا حال ہے کہ جس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے خود لیا ہے اب خود اندازہ لگا لیجیے کہ اس قرآن کا مفسدوں نے کہاں تک مذاق اڑایا۔

دشمن تو جو بھی کہیں سو تھوڑا ہے۔ مگر دوستوں کو کیا ہوا؟ وہی بات ؎

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

خیال تو کرو جب اللہ تعالےٰ نے ان مومنوں کی تعریف فرمائی ہے، کہ جو بغیر سوچے سمجھے قرآن کی آیات پر بھی اندھے بہروں کی طرح عمل نہیں کرتے تو ایسی مضحکہ خیز بلکہ تباہ کن روایات پر ایمان لانے اور فخریہ بیان کرتے رہنے والوں کا خدا کے دربار میں کیا حشر ہوگا۔

مسلمانو! خدارا کچھ تو مصلحت وقت پر غور کرو، کہ ہماری ان لاپرواہیوں

سے دین ایک کھلونا بن کر رہ گیا ہے، اور ہماری تو وہ مثل ہو گئی ہے ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

جن اقوامِ کی آسمانی کتابوں میں آسمان کے چاند ستاروں میں جانے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں وہ تو اس بلندی پہ پہنچی جا رہی ہیں اور ہم کہ جن کا قرآن لگاتار ترغیب دلا رہا ہے وہ آسمان پر جانے کا بھی مذاق اڑا رہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے فرشتے ہم سے ضرور یہ امید لگائے ہوئے ہوں گے کہ جب دوسری اُمتیں بلا قصد و ارادہ قدرت کی طرف سے اس پر مجبور ہیں کہ اپنے اپنے نبیؑ کے معجزات کی طرز پر ایجادیں کریں تو مسلمانوں کی اس خیر امت کو تو اپنے قصد و ارادے سے اس سے بھی بڑھ کر کارنمایاں کرنے چاہئیں۔ مُسلمان بھول جائیں تو بھول جائیں مگر واقفانِ رازِ معراج فرشتے تو جانتے ہیں کہ یہ وہ امت ہے کہ جس کے لئے حضورؐ صاحبِ معراج نے عرشِ اعظم پر پہنچ کر اپنے اللہ سے یہ دعا فرمائی تھی کہ

بارالٰہا! میرے معراج کی ان خوشیوں اور بلند درجوں میں سے میری اُمت کو بھی کچھ حصہ عطا فرما۔"

چنانچہ وہ دعا حضرتؐ حق میں شرفِ قبول حاصل کر چکی ہے، اور اس

خیر امت کو یہ یاد ہونا چاہیئے جبکہ رسمی طور سے معراج مبارک کے بیان میں اس معاملے کو اکثر رٹتے بھی رہتے ہیں۔ پھر بتائیں، کہ مسلمان اس مبارک دعا کی برکات حاصل کرنے کی کیا کیا تدبیریں اور کیسی کیسی کوششیں کر رہے ہیں۔ جبکہ دوسری امتیں دانستہ یا نادانستہ ہر قسم کی ایجادیں کر رہی ہیں، تو یہ چاند سیاروں کے مرحلے تو صاحبِ معراج کی امت ہی کے حصے میں آنے چاہئیں کہ جنھوں نے معراج پر تشریف لے جانے سے پہلے اپنے ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔

چاند کے دو ٹکڑے کر دینے میں بھی کوئی زبردست اشارہ ہے، اور یوں تو چاند سے متعلق ہر چیز میں دو ہی دو کے اشارے آرہے ہیں۔ جن کا انکشاف آئندہ زمانے میں ہو جائے گا، اور دیکھنے والے دیکھیں گے۔ بہرحال یہ تو ضروری ہے کہ چاند کے پہاڑوں کو توڑنا اور رہائش کے قابل بنا کر دوسرے سیاروں میں جانے کے لئے اس کو درمیانی اسٹیشن بنانا۔ انھیں نبی برحق کی اُمت کے حصے میں آنا چاہیئے، جنھوں نے ایک اشارے سے اس کے دو ٹکڑے فرما دیئے تھے اور جن کے لئے قرآن کی یہ وحی نازل ہوئی کہ

"چاند کے ٹوٹنے کا وقت قریب آگیا"

لیکن یہ ہو تو کیسے ہو کہ مسلمان چاند میں پہنچ کر توڑ پھوڑ کا کام شروع

کریں۔ جب تک موجودہ مسلمان اتنی ترقی کریں کہ امریکہ کی اس دوڑ میں برابر کے شریک ہو سکیں اس وقت تک تو بہت کچھ ہو چکے گا۔ کچھ بھی ہو جائے چاند کے پہاڑوں کی توڑ پھوڑ مسلمانوں کے ہاتھ سے ہی ہونی چاہیئے۔ اور نہیں تو کم از کم اتنا ہو جائے گا۔ کہ یہی لوگ پہاڑوں کو توڑنے سے پہلے قرآن کے اشارے کے بموجب اسلام قبول کر لیں گے۔ انشاءاللہ۔ کیونکہ "سرائیل" یا راکٹوں میں بیٹھ بیٹھ کر اڑان کرنے والوں کو اسلام قبول کرنے کا حکم ہو چکا ہے اور وہ آئتیں اس کتاب کے صفحہ ۴۵ اور ۱۰۷ پر لکھی ہوئی ہیں

انشاءاللہ قرآن کی یہ پیشین گوئی تو پوری ہو کر رہے گی۔ مگر ہم موجودالوقت مسلمانوں کو اپنی شامت اعمال پر دل کھول کر آنسو بہانے چاہئیں۔ کہ وہ جو فرمایا ہے کہ

اے مسلمانو! اگر تم نافرمان بن گئے تو ہم تمہاری جگہ

دوسری قوم کو دیں گے اور تم کو ....

خدایا رحم فرما تاکہ ہماری قوم کی چشم بصیرت کے اوپر سے غفلت کے پردے اٹھ جائیں، اور صحیح معنوں میں خیر امت بن جائے۔

"آمین"

تمت

خادمہ دین و قوم: احقرہ امتہ الکریم بیگم اسحاق امتہ
معرفت: عائشہ باوانی وقف
بنک ہاؤس نمبر ۱ - حبیب اسکوائر، بندر روڈ، پوسٹ بکس نمبر ۸،۱۴ کراچی ۲